سلسلۂ مطبوعات نمبر ۱

سرورِ عالمؐ

غلام رسول مہر

کتاب منزل لاہور

مصنف ——— مولانا غلام رسول مہر

طابع ——— شیخ نیاز احمد،

مطبع ——— علمی پرنٹنگ پریس لاہور

ناشر ——— کتاب منزل کشمیری بازار لاہور

بار ——— دوم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سیرت مقدسہ کا یہ مختصر سا مرقع، سررشتہ تعلیمات پنجاب کے مجوزہ نصاب کے مطابق چھٹی، ساتویں اور آٹھویں جماعتوں کی کتب دینیات کے لئے لکھا گیا تھا۔ اس وجہ سے زبان، اسلوبِ بیان اور اظہارِ مطالب میں زیادہ سے زیادہ سلاست پیش نظر رکھی گئی۔ علمی اور تحقیقی بحثوں سے بالاہتمام احتراز کیا گیا۔ بعد میں خیال آیا کہ اگر ان ابواب کو مستقل کتاب کی شکل میں چھاپ دیا جائے تو یہ انشاءاللہ، عام اردو خواں اصحاب کے لیے مفید ہو گی۔

اس میں سیرت مقدسہ کا کوئی ضروری پہلو نظر انداز نہیں ہُوا۔ تمام واقعات مستند اور معتمد علیہ کتابوں سے لیے گئے ہیں اور تحریر میں ہر واقعہ کے پس منظر اور احوال و ظروف کو بھی جزو واقعہ بنا کر پیش کیا گیا ہے۔ اتنی مختصر سی کتاب میں اس اسلوب کی پابندی سہل نہ تھی۔ مولف کی دعا ہے کہ خدائے کریم اس ناچیز تالیف کو عام اُردو خواں اصحاب کے دلوں میں سیرت مقدسہ کے ساتھ سچی شیفتگی پیدا کرنے کا ذریعہ بنائے

یہی سرمایہ ایمان اور یہی دستاویز فلاح دنیا و دین ہے۔

تلوار کی دھار پر چلنا آسان ہے، سیرت مقدسہ کے لئے قلم اٹھانا آسان نہیں۔ اگر کہیں اتفاقیہ لغزش سرزد ہوگئی ہو تو ناچیز مولف بہ صد عجز بارگاہ باری تعالے میں عفو کا طلب گار ہے۔ قارئین سے درخواست ہے کہ کتاب کو پڑھیں تو اس عاصی پر معاصی کے لیے دعا فرمائیں۔

خاک نشین آستانہ رسالت
حقیر پُر تقصیر مہر

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پہلا باب

عرب کا جغرافیہ

محل وقوع ملک عرب، جہاں اسلام کا چشمہ اُبلا، ایشیا کے جنوب مغرب میں اس مقام پر واقع ہے، جہاں ایشیا اور افریقہ کی حدیں ملتی ہیں، یورپ خشکی اور تری دونوں کے راستوں سے بہت قریب ہے گویا اس ملک کو قدرت نے ایسی جگہ عطا کی ہے کہ اگر وہاں سے مشرق کا رخ کریں تو ہزاروں میل تک ایشیا کا دامن پھیلا ہوا ہے، مغرب کی طرف نکلیں تو بحر ظلمات تک افریقہ چلا جاتا ہے۔ شمال کی طرف بڑھیں تو خشکی کے راستے ایشیائے کوچک سے گزرتے ہی یورپ میں داخل ہو جاتے ہیں۔ سمندر کے راستے جانا چاہیں تو شام کی کسی بندرگاہ سے جہاز پر بیٹھیں، چند گھنٹوں میں یورپ جا اُتریں گے۔

پرانی دنیا کے یہ تین برّاعظم تھے۔ ان تینوں میں اگر کوئی ایسا مرکزی مقام تلاش کرنا چاہیں، جہاں سے ہر برّاعظم میں جا نکلنا زیادہ سے زیادہ سہل ہو تو عرب کے سوا کسی دوسرے ملک پر نگاہ نہ جمے گی۔ معلوم ہوتا ہے

عرب کو اس دنیا کے آخری اور کامل دین یعنی اسلام کا سرچشمہ بنانے کی ایک مصلحت یہ بھی تھی کہ اس کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔

حدود اربعہ | عرب جزیرہ نما ہے یعنی اس کے تین طرف پانی اور ایک طرف خشکی ہے۔ مغرب میں بحیرۂ احمر، جسے بحیرۂ قلزم بھی کہتے ہیں، جنوب میں بحرِ ہند، جس کا عرب سے ملا ہوا حصّہ بحیرۂ عرب کہلاتا ہے اور مشرق میں خلیج فارس۔ شمالی حد کے بارے میں رائیں مختلف ہیں۔ جو لوگ شام و عراق کو عرب میں شامل سمجھتے ہیں (اور اس حقیقت میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ عرب میں شامل ہیں، اس لیے کہ ان کی زبان عربی ہے اور دونوں میں عرب آباد ہیں) ان کے نزدیک عرب کی شمالی حد ایشیائے کوچک ہے۔ جو لوگ شام و عراق کو الگ مانتے ہیں ان کے نزدیک عرب کے شمال میں یہ دونوں ملک (یعنی شام و عراق) واقع ہیں۔

رقبہ | پورے عرب کی صحیح پیمائش اس وقت تک نہیں ہو سکی۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ صحرائی علاقے میں پھرنا آسان نہیں لیکن عام اندازہ یہ ہے کہ یہ ملک تقریباً ایک ہزار سات سو میل لمبا ہے اور اس کی چوڑائی کا اوسط سات سو میل سے کم نہیں۔ رقبے کا عام اندازہ بارہ لاکھ مربع میل ہے۔ اس رقبے میں شام و عراق شامل ہیں۔

صحرا | عرب کا خاصا حصّہ ریگستان ہے، جس میں کوئی آبادی نہیں۔ بڑے ریگستان دو ہیں: ایک شمال میں، دوسرا جنوب میں۔ ان دونوں کو ریت کا ایک تنگ خطّہ ملاتا ہے، جو نجد کے بیچ

میں سے گزرتا ہے شمالی ریگستان کے مختلف نام ہیں۔ جو حصّہ نجد سے ملا ہوا ہے، اسے "نفود" کہتے ہیں۔ شام سے ملے ہوئے ریگستان کا نام "بادیۂ شام" اور عراق سے ملے ہوئے ریگستان کا نام "بادیۂ عراق" ہے، لیکن اصل میں یہ تینوں خطّے ایک بڑے "کل" کے اجزا ہیں۔ جنوبی ریگستان کا نام "رُبع الخالی" ہے۔ اسے "دہنا" بھی کہتے ہیں، جس کے معنے ہیں "سرخ رنگ کی ریت کا وسیع خطّہ"۔

پہاڑ اور دریا عرب میں جا بجا پہاڑ ہیں اور ان کے الگ الگ نام ہیں۔ سب سے بڑا پہاڑی سلسلہ وہ ہے جسے "جبل السراۃ" کہتے ہیں۔ یہ جنوب میں یمن سے شروع ہو کر شمال تک ایک دیوار کی شکل میں چلا گیا ہے اور اس نے ملک کو دو حصّوں میں بانٹ دیا ہے مشرقی حصّہ بہت چوڑا ہے مغربی حصّے کی چوڑائی کم ہے اس پہاڑ کی بلندی کہیں دس ہزار فٹ اور کہیں آٹھ ہزار فٹ ہے۔

عرب میں عراق کے دریاؤں کے سوا ہمارے ملک جیسا دریا کوئی نہیں۔ پہاڑوں اور صحراؤں میں چشمے ملتے ہیں، کہیں کم، کہیں زیادہ۔ بارش ہو جائے تو نشیبی جگہوں میں پانی بہنے لگتا ہے، لیکن تھوڑے دنوں میں سوکھ جاتا ہے۔

آب و ہوا ساحلی اور پہاڑی علاقوں کو چھوڑ کر آب و ہوا کے لحاظ سے عرب کو بہت خشک اور گرم ملک سمجھنا چاہیے۔ جنوبی سمندر کی ہوائیں بارش بھی وہاں پہنچاتی ہیں، لیکن صحرا کی تیز گرم ہواؤں کے باعث زمین جلد خشک ہو جاتی ہے اور اس

میں اتنی نمی باقی نہیں رہتی کہ کھیتی باڑی یا سبزہ ضرورت کے مطابق اُگ سکے۔ بعض خطوں میں بارش خاصی ہوتی ہے۔

نباتات ملک میں جہاں جہاں پانی کے چشمے ہیں، وہاں زراعت بھی ہوتی ہے، باغ بھی موجود ہیں۔ پیداوار میں گندم، جَو اور لوبیا خاص جنسیں ہیں۔ باغوں میں ہر قسم کے میوے ہوتے ہیں۔ صحراؤں میں جہاں جہاں چشمے ہیں، وہاں وہاں چھوٹی چھوٹی آبادیاں بن گئی ہیں۔ جنھیں نخلستان کہتے ہیں۔ ریت کے وسیع خطوں میں ان کی حیثیت وہی ہے، جو سمندر میں جزیروں کی ہوتی ہے
عرب کا عام درخت کھجور ہے۔ یہ ہر جگہ ہوتا ہے اور بہ کثرت ہوتا ہے۔ اس کی بہت سی قسمیں ہیں، صرف مدینے شریف میں ساٹھ ستر قسم کی کھجور ہوتی ہے۔ کھجور کے علاوہ ببول، بیری اور دوسرے درخت بھی ہوتے ہیں۔ فلسطین و شام میں زیتون، انجیر اور انگور بہ کثرت ہوتے ہیں۔ کیلا، انار، انگور اور سیب طائف میں بھی ملتے ہیں۔ مدینے میں بعض لوگوں نے شوقیہ آم بھی لگائے اگرچہ آم عام نہیں۔

حیوانات حیوانات میں اُونٹ، گھوڑا، گدھا، بھیڑ اور بکری قابلِ ذکر ہیں۔ اُونٹ بار برداری اور سواری دونوں کے کام آتا ہے۔ جب لاریاں اور موٹریں نہیں بنی تھیں، اُونٹوں ہی کے ذریعے سے عرب ہزاروں من سامان ایک ملک سے دوسرے ملک میں لاتے لے جاتے رہتے تھے۔ اسی وجہ سے اُونٹ کو لوگ ریگستان کا جہاز کہنے لگے۔ اب بھی عرب کے اندر سامان اٹھانے کا کام

اونٹ ہی سے لیا جاتا ہے۔ مادہ، نر کے مقابلے میں زیادہ تیز چلتی ہے، اسے سانڈنی کہتے ہیں۔ عرب کا گھوڑا دنیا بھر میں مشہور ہے۔ شرافت، وفاداری، تیز رفتاری اور خوبصورتی میں ویسا گھوڑا کہیں نہیں ہوتا۔ عام سواری کا جانور گدھا ہے۔ جو خاصا تیز چلتا ہے۔ ہمارے ہاں گدھے پر سوار ہونا باعث عار سمجھا جاتا ہے، لیکن عرب میں اکثر لوگ بے تکلف گدھوں پر سوار نظر آئیں گے۔ جب جدّے اور مکّے کے درمیان موٹریں اور لاریاں نہیں چلتی تھیں، اکّا دکّا لوگ گدھوں ہی پر آتے جاتے تھے۔ درندے بھی کہیں کہیں پائے جاتے ہیں۔

معدنیات پرانے زمانے میں عرب چاندی اور سونے کی کانوں کے لیے بہت مشہور تھا، ایسی کانیں اب بھی کہیں کہیں موجود ہیں۔ زمانہ حال میں ملک کے مختلف حصّوں میں پٹرول کے بہت سے چشمے دریافت ہوئے ہیں کویت، عراق اور نجد کے چشموں سے لاکھوں گیلن پٹرول نکلتا ہے۔ یمن کا عقیق (سرخ رنگ کا پتھر) بہت مشہور ہے۔

دوسرا باب
عرب کی تقسیم

عرب کے حصّے عرب بہت سے حصّوں میں بٹا ہوا ہے۔ جن میں سے بعض کی کیفیت یہ ہے:

(۱) جنوبی ومغربی گوشے کے قریب "عدن" واقع ہے، جو بحیرۂ عرب کی مشہور بندرگاہ ہے۔ یہ بندرگاہ اور اس کے آس پاس کا تھوڑا سا علاقہ ۱۸۳۶ء سے انگریزوں کے قبضے میں ہے۔

(۲) یمن: عرب کے پورے جنوبی ومغربی گوشے کو گھیرے ہوئے ہے۔ یہ ملک کا بہت زرخیز حصہ ہے۔ صنعا اس کا دارالحکومت ہے اور حدیدہ مشہور بندرگاہ، جو بحیرہ قلزم پر واقع ہے۔ یہاں مستقل حکومت قائم ہے۔

(۳) حضرموت: یہ حصہ جنوب میں بحیرۂ عرب پر واقع ہے اور کئی چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹا ہوا ہے مکلا اس کی مشہور بندرگاہ ہے۔ حضرموت کو "احقاف" بھی کہتے ہیں، جہاں سبا کی حکومت تھی۔ احقاف کے معنے ہیں "ریت کے ٹیلے"۔

(۴) عمان: یہ جنوب مشرق میں ہے اور مسقط اس کا دارالحکومت ہے۔

(۵) نجد: نجد اونچی زمین یا سطح مرتفع کو کہتے ہیں، یہ عرب کا

سب سے بڑا حصّہ گھیرے ہوئے ہے۔ آج کل دولتِ سعودیہ میں نجد، حجاز، حائل، الحسا وغیرہ شامل ہیں۔ الحسا کا نام پُرانے زمانے میں بحرین تھا۔ ریاض نجد کا دارالحکومت ہے۔

(۶) کویت: ایک چھوٹی سی ریاست ہے جو خلیج فارس کے دہانے پر مغربی سمت میں واقع ہے۔

(۷) عسیر: یمن اور حجاز کے بیچ میں ہے۔ اسے پرانے زمانے میں تہامہ یعنی نشیبی زمین کہتے تھے۔ آج کل دولت سعودیہ میں شامل ہے۔

(۸) عراق: اس سرزمین کو دجلہ اور فرات سیراب کرتے ہیں۔ بصرہ، بغداد، کربلا شریف اور نجف اشرف اس کے مشہور شہر ہیں۔ نجف اشرف کے پاس ہی کوفہ واقع ہے۔ ابتدائی اسلامی دور کے اس تاریخی شہر کی پہلی عظمت باقی نہیں رہی۔ اب یہ معمولی سا مقام ہے۔

شام: شام پرانے زمانے میں بہت بڑا تھا۔ پھر یہ ٹکڑوں میں بٹتا گیا۔ پہلے فلسطین کو اس سے الگ کیا گیا۔ فلسطین کا سب سے بڑا شہر قدس شریف (یروشلم) ہے، جو عیسائیوں، یہودیوں اور مسلمانوں تینوں کے نزدیک یکساں مقدس ہے۔ غزہ، یافہ، حیفا، عکا اور تل ابیب اس کے دوسرے قابلِ ذکر مقام ہیں۔ اب فلسطین کو بھی دو حصّوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ ایک حصّہ عربوں کو دے دیا گیا ہے، دوسرا یہودیوں کے لیے الگ

کردیا گیا ہے۔

شام کا ایک علاقہ لبنان ہے، جسے الگ ریاست بنا دیا گیا ہے۔ بیروت اس کا دارالحکومت ہے۔ خود شام کا مرکزی مقام دمشق ہے، جو ایک زمانے میں اسلامی خلافت کا مرکز تھا اور بہت پرانا شہر ہے۔

فلسطین کے مشرق میں شرق اردن کی الگ حکومت ہے، اس کا پایۂ تخت معان ہے۔

حجاز حجاز عرب کا سب سے مشہور اور مقدس خطہ ہے۔ یہی اسلام کا سرچشمہ ہے۔ مکہ شریف اس کا سب سے بڑا شہر ہے، جہاں سب سے پہلے خدا کا گھر بنا۔ پھر اسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نئے سرے سے آباد کیا۔ اور اپنے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اس مبارک گھر کی خدمت سونپی۔ اسی گھر کو مسلمان کعبہ کہتے ہیں۔ اسی کی طرف منہ کرکے وہ نماز پڑھتے ہیں۔ اس کے ارد گرد جو مسجد ہے، اس کا نام "مسجد الحرام" ہے یعنی بہت پاک اور عزت و حرمت والی مسجد۔ مکے شریف میں ہمارے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے اور اسی شہر میں آپؐ نے اپنی زندگی کے ۵۳ سال بسر فرمائے۔

مکے شریف کے شمال میں تین سو میل پر مدینہ شریف ہے، جہاں ہمارے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد قیام فرمایا اور اسلامی نظام قائم کیا۔ وہیں آپؐ کی آخری آرام گاہ ہے۔

مکّہ شریف اور مدینہ شریف مسلمانوں کے نزدیک بہت مقدس ہیں اور انھیں "حرمین شریف" کہا جاتا ہے ؛ یعنی دو نہایت عزّت اور حرمت والے مقام۔ یہ دونوں شہر عرب ہی نہیں، ساری دنیائے اسلام کی آنکھوں کے تارے ہیں۔ ان سے بڑھ کر مسلمانوں کے نزدیک کوئی خطّہ عزیز نہیں۔

حجاز میں بحیرۂ قلزم پر دو مشہور بندرگاہیں ہیں۔ ایک جدہ ؛ دوسری ینبوع۔ جدہ مکّے شریف سے اڑتالیس میل پر ہے، ینبوع مدینے شریف سے قریب ہے۔ مکّے شریف کے مشرق میں حجاز کا ایک بڑا شہر طائف ہے۔ جو بہت سرسبز اور زرخیز ہے ؛ اس لیے کہ وہاں پانی کی کثرت ہے۔ مکّے شریف کے اکثر لوگ گرمیوں کا موسم طائف ہی میں بسر کرتے ہیں ◆

تیسرا باب

اہل عرب کی معاشرت

"بدوی" اور "حضری" عرب کا بڑا حصہ چونکہ ریگستانی اور غیر آباد ہے، وہاں ایک جگہ بیٹھ کر زندگی کے ضروری سامان فراہم کر لینے اور اطمینان سے دن گزارنے کی صورتیں بہت کم ہیں، اس لیے پوری آبادی دو حصوں میں بٹ گئی ہے۔ ایک حصہ وہ ہے جسے "حضری" کہتے ہیں، یعنی وہ لوگ جو شہروں اور بستیوں میں جم کر رہتے ہیں۔ ان کی تعداد کم ہے۔ باقی آبادی، جو عرب کی بہت بڑی آبادی ہے، "بدوی" کہلاتی ہے، یعنی صحرائی اور خانہ بدوش لوگ۔ وہ ایک جگہ جم کر نہیں رہتے، جہاں سبزی اور پانی دیکھتے ہیں، خیمے لگا لیتے ہیں۔ جب ایک جگہ چارہ ختم ہو جاتا ہے، ڈیرا ڈنڈا اٹھا کر دوسری جگہ جا بیٹھتے ہیں۔ ان کا گزارہ جانور پال پال کر بیچنے پر ہے۔ کبھی لوگوں کا سامان اونٹوں پر لاد کر ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچا دیتے ہیں۔ اس طرح جو روپے ملتے ہیں، ان سے کھانے پینے کا سامان خرید لیتے ہیں۔

قبیلے کا نظام جس طرح شہروں اور مستقل آبادیوں میں حکومت کا نظام قائم ہو گیا، اسی طرح بدوی آبادی میں قبیلوں کا نظام

فروغ پا گیا - ایک دادا کی اولاد، ایک قبیلہ بن گئی اور ان میں سے جو شخص زیادہ قابل، سیانا اور با اثر ہوا، اس نے سرداری کا منصب حاصل کر لیا - عرب سردار کو "شیخ" کہتے ہیں - قبیلے میں شیخ کی حیثیت وہی ہوتی ہے، جو ہمارے ہاں سرحدی علاقے میں "خان" اور "ملک" کی ہوتی ہے - سب لوگ اسی کی مرضی پر چلتے ہیں اور اسی کا حکم مانتے ہیں - وہی پورے قبیلے کے حقوق کی دیکھ بھال کرتا ہے - انھیں اکٹھا رکھتا ہے، ان کے باہمی جھگڑے چکاتا ہے۔ ان کے لیے مناسب گزارے کے انتظامات سوچتا ہے - اسی کے حکم سے لوگ لڑتے ہیں، اسی کے حکم سے صلح کرتے ہیں - یہ نظام اس وقت سے چلا آتا ہے، جب سے عرب قوم تاریخ سے روشناس ہوئی اور اب تک اس میں کوئی فرق نہیں آیا -

تمدن شہروں اور بڑی بڑی بستیوں کا تمدن پہلے بھی اچھا تھا، آج کل بھی بہت اعلیٰ ہے - کئی کئی منزل اونچے پختہ مکانات ہیں، ان میں آرایش کے سارے سامان موجود ہوتے ہیں - کھانے پینے رہنے سہنے اور اٹھنے بیٹھنے کا درجہ بھی خاصا بلند ہے، لیکن دیہاتی اور بدوی آبادی کا تمدن پہلے کی طرح آج بھی بہت سادہ اور بے تکلف ہے -

لباس کو دیکھو تو مرد عورت دونوں ایک لمبا کرتا پہنتے ہیں، جو پنڈلیوں تک ہوتا ہے - کمر میں ایک پٹکا باندھ لیتے ہیں - مردوں کے سر پر ایک کپڑا ہوتا ہے، جسے "کوفیہ" کہتے

ہیں، اس کے اوپر اون کی بٹی ہوئی رسّی باندھ لیتے ہیں، اس رسّی کا نام "عقال" ہے۔ عورتیں سر پر اوڑھنی رکھتی ہیں۔ پردہ عام ہے۔ کوئی عورت صحرائی ہو یا دیہاتی ننگے منہ پھرتی نظر نہ آئے گی۔

عرب میں پلنگ یا چارپائی کا رواج پہلے بھی بہت کم تھا، اب بھی کم ہے۔ شہری لوگ فرش پر قالین بچھاتے ہیں، اور فرش ہی پر سو جاتے ہیں۔

خوراک شہروں میں تو ہر قسم کے کھانے پکتے ہیں، لیکن دیہاتی اور بدوی آبادی کا عام کھانا کھجور، نیز اونٹوں اور بکریوں کا دودھ ہے۔ کبھی کبھی پلاؤ بھی کھایا جاتا ہے۔ عرب میں چپاتیاں نہیں ہوتیں، خمیری روٹیاں شہروں میں بھی ملتی ہیں اور دیہات میں بھی۔

پرانے زمانے میں سب سے اچھا کھانا یہ تھا کہ روٹی کو توڑ کر شوربے میں بھگو لیتے تھے؛ اسے "ثرید" کہتے تھے۔ رسولؐ پاک کا ارشاد ہے، عائشہؓ عورتوں میں اسی طرح ممتاز ہیں، جس طرح کھانوں میں ثرید۔

سبزیاں بہت کھائی جاتی ہیں۔ سرخ مرچ عرب میں کوئی نہیں کھاتا۔ کھانے کے سلسلے میں اس بات کا ذکر ضروری ہے کہ عرب عام طور پر اکٹھے بیٹھ کر کھاتے ہیں۔ کھانے کے وقت چھوٹے بڑے کی تمیز نہیں ہوتی۔ فرض کیجیے کہ آپ نے سواری یا باربرداری کے لیے اونٹ کرایے پر لے لیے ہیں، آپ معمولی سی غذا بھی کھائیں لیکن اونٹوں والے کو ساتھ بٹھا کر کھلائیں گے، تو وہ آپ پر جان چھڑکنے کے لیے تیار رہے گا۔

الگ بٹھاکر اسے پلاؤ اور زردہ بھی دیں گے تو اپنی ہتک سمجھے گا۔ گویا برابری اور برادری کی روح عربوں کی رگ رگ میں رچی ہوئی ہے۔

تجارتی منڈیاں اور بازار جس آبادی کا نقشہ ہم اوپر پیش کر چکے ہیں، ظاہر ہے کہ اس میں مستقل بازار نہیں لگ سکتے۔ پہلے سے عام دستور یہ تھا کہ کئی چھوٹی آبادیوں کے درمیان ہفتے میں ایک مرتبہ بازار لگتا تھا لوگ اپنی جنسیں لے کر آجاتے تھے۔ اور ایک جنس دے کر اپنی ضرورت کی دوسری جنس خرید لیتے تھے۔ بعض بڑے بازار تھے، جہاں سال میں ایک مرتبہ بھاری میلہ لگتا تھا۔ دور دور سے لوگ آتے تھے۔ گھوڑوں اور اونٹوں کی دوڑ بھی ہوتی تھی۔ شاعر بھی اپنی فصاحت زبان آوری اور کلام کا زور و جوش دکھاتے تھے۔ ان میں سے عکاظ، مجنّہ اور ذوالمجاز کے بازار اور میلے بہت مشہور تھے۔ مجنّہ مکّے سے قریب تھا۔ ذوالمجاز اور عکاظ مکّے اور طائف کے درمیان تھے۔ بدر میں رسولؐ پاک اور قریش کے درمیان پہلی بڑی جنگ ہوئی تھی، یہ مقام بھی مشہور تجارتی منڈی تھا۔

تجارتی شاہراہیں عربوں کا عام پیشہ تجارت تھا۔ وہ اپنا مال اونٹوں پر لاد کر باہر کے ملکوں میں لے جاتے اور وہاں سے ضرورت کی چیزیں خرید لاتے۔ انھیں کے ذریعے سے ایک ملک کا مال دوسرے ملک میں جاتا۔ صدیوں تک وہی ایشیا، یورپ اور افریقہ کی تجارت کا سب سے بڑا وسیلہ بنے رہے۔ خود عرب میں کئی تجارتی شاہراہیں بن گئی تھیں۔ سب سے بڑی شاہراہ

یمن سے شام تک تھی۔ جو مکّے شریف میں سے گزرتی تھی۔ ایک شاہراہ سمندر کے کنارے کنارے ہوتی ہوئی جزیرہ نمائے سینا سے گزر کر مصر تک جاتی تھی۔ مکّے شریف سے خلیج فارس کی مختلف بندرگاہوں تک بھی کئی تجارتی راستے بنے ہوئے تھے۔ عرب ہی تھے، جنھوں نے سب سے پہلے اور سب سے بڑھ کر بحری تجارت کے راستے دریافت کیے۔ انھیں کے ذریعہ سے یورپ کا مال ہندوستان اور چین تک پہنچنے لگا۔ انھیں کے ذریعہ سے جہازرانی اعلیٰ درجے پر پہنچی۔ سولھویں صدی عیسوی کے آغاز تک جہازرانی میں عرب سب سے آگے تھے۔

چوتھا باب

اسلام سے پہلے عرب کی حالت

باشندے عرب کے باشندے اگرچہ سب کے سب سامی نسل سے ہیں، لیکن انھیں تین حصوں میں بانٹا گیا ہے: عرب بائدہ، عرب عاربہ اور عرب مستعربہ۔

(۱) عرب بائدہ ان لوگوں کو کہتے ہیں جو بہت پہلے آباد تھے، لیکن بدعملی کی وجہ سے ان پر عذاب نازل ہوا اور فنا ہو گئے۔ ان میں سے عاد، ثمود، طسم اور جدیس خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ عاد کے لیے خدا نے حضرت ہود علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا تھا۔ یہ لوگ عرب کے جنوب میں آباد تھے۔ ثمود حجاز کے شمال میں تھے، ان کے لیے حضرت صالح علیہ السلام پیغمبر بنا کر بھیجے گئے تھے۔

(۲) عرب عاربہ: یعنی خالص عرب، یہ لوگ یمن سے نکل کر عرب کے مختلف حصوں میں پھیلے۔ ان کے بڑے بزرگ کا نام قحطان تھا اس لیے انھیں "بنو قحطان" یعنی قحطان کی اولاد کہتے ہیں۔

(۳) عرب مستعربہ: یعنی وہ لوگ جو باہر سے آئے، لیکن عربوں میں گھل مل کر ان کا جزو بن گئے۔ یہ لوگ حضرت اسماعیل

علیہ السلام کی اولاد ہیں، حضرت اسماعیلؑ کے اخلاف میں سے عدنان بہت مشہور ہوئے، اس وجہ سے عرب مستعربہ میں "بنو عدنان" (یعنی عدنان کی اولاد) زیادہ مشہور ہوئے۔

حکومتیں اسلام سے پہلے سارا عرب بھی ایک حکومت کے ماتحت نہ آیا تھا۔ اس کے مختلف حصوں میں چھوٹی بڑی حکومتیں بنتی رہیں۔ یمن اور آس پاس کے علاقوں میں معین، سبا اور حمیر کی حکومتیں یکے بعد دیگرے قائم ہوگئیں پھر یمن کی خانہ جنگی سے فائدہ اٹھاکر حبشہ کے لوگ ایک گروہ کے مددگار بنے اور یمن پہنچ گئے۔ بعد میں آہستہ آہستہ خود حکومت کے مالک بن بیٹھے۔ ۵۲۵ء سے ۵۷۵ء تک یمن انھیں کے قبضے میں رہا اور حبشہ سے یمن کے انتظام کے لیے گورنر مقرر ہوکر آتے تھے۔ انھیں گورنروں میں سے ایک کا نام ابرہہ تھا، جس نے ۵۷۰ء میں مکے شریف پر چڑھائی کی تھی۔ اس کے ساتھ چونکہ ہاتھی بھی تھے، اس لیے عرب اس لشکر کو "اصحاب الفیل" کہنے لگے، یعنی ہاتھیوں والے۔ "اصحاب الفیل" کا ذکر قرآن شریف میں بھی آیا ہے یمن کی عربی حکومت آخرکار ایرانیوں کے زیر اثر آگئی تھی۔

نجد میں کندہ اور عراق میں بنو لخم نے حکومتیں قائم کرلی تھیں۔ یہ دونوں بھی ایران کے زیر اثر تھیں۔ شام میں غسانیوں نے مستقبل حکومت بنالی تھی۔ اس حکومت کی سرحد رومیوں سے ملتی تھی، اس لیے وہ رومیوں کے زیر اثر

چلی گئی[1]۔ حجاز میں کبھی کوئی حکومت نہ بنی اور یہ علاقہ ہر بیرونی اثر سے پاک رہا۔ اس پاک خطے کو خدا کے آخری دین کا سرچشمہ بنانے کی شاید ایک وجہ یہ بھی تھی۔

مذاہب عرب تجارتی ملک تھا، اس لیے مختلف قوموں کے لوگ تجارت کے سلسلے میں عرب کے مختلف شہروں میں آباد ہوگئے تھے۔ ان میں یہودی بھی تھے، عیسائی بھی اور مجوسی بھی۔ یہودیوں کی بڑی آبادیاں یثرب (مدینے شریف) اور خیبر میں تھیں۔ عیسائیوں کی زیادہ آبادی نجران میں تھی، جو حجاز کے جنوب مشرق میں ایک چھوٹی سی ریاست تھی۔ عام اہل عرب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر چلنے کے دعویدار تھے، جسے دین حنیف کہتے تھے۔ لیکن صدیوں سے ان میں بت پرستی رواج پا چکی تھی۔ مختلف قبیلوں نے الگ الگ بت بنا رکھے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بنائے ہوئے پاک گھر میں بھی انھوں نے تین سو ساٹھ بت جمع کر لیے تھے۔ عیسائیوں اور یہودیوں کی اخلاقی اور عملی حالت بھی بڑی خراب تھی۔ چند لوگ ایسے بھی تھے، جنھیں بت پرستی سے نفرت تھی۔ وہ ایک خدا کو مانتے تھے، لیکن نہ انھیں کھل کر اپنے دل کی بات کہنے کا

---

[1] بنو لخم اور بنو غسان اس زمانے میں مآرب سے نکلے جب بند مآرب میں پہلے پہل شکست کے آثار نمودار ہوئے۔ بنو غسان جنوبی شام میں اور بنو لخم عراق میں جا کر آباد ہوئے اور دونوں جگہ انھوں نے اپنی حکومتیں قائم کر لیں۔

حوصلہ تھا اور نہ کوئی ان کی سُنتا تھا۔ گویا عملی حیثیت سے پیغمبروں کو ماننا نہ ماننا برابر ہو گیا تھا۔

عربوں کے اخلاق عرب چونکہ عموماً آزادانہ زندگی بسر کرتے رہے، اس لیے ابتدا میں ان کے اخلاق بہت اچھے ہوں گے۔ مثال کے طور پر انھیں آزادی اور خود مختاری سے محبت تھی۔ آزاد آب و ہوا میں رہنے کے باعث ان میں بلا کی شجاعت اور جوانمردی پیدا ہو گئی تھی۔ نام اور ناموس کی حفاظت میں بے دریغ جانیں قربان کرنے پر تل جاتے تھے۔ فصیح اور زبان آور ایسے تھے کہ اپنے سوا سب کو عجمی یعنی گونگے کہتے تھے۔ شاعری کا خاص ذوق تھا۔ شاعروں کی بڑی عزت کرتے تھے۔ ان کے شاعر بھی عام طور پر بہادری اور جوانمردی کے کارناموں کو مزے لے لے کر بیان کرتے تھے۔ مال و دولت سے محبت نہ تھی، جو کچھ ہاتھ آتا بے تکلف خرچ کر دیتے تھے۔ مہمان نوازی ان کی زندگی کا خاص جوہر تھی۔ دشمن بھی مہمان بن کر آجاتا تو اُسے آنکھوں پر بیٹھاتے۔ عہد اور قول کا پاس بہت کرتے تھے۔ جو آدمی قول سے پھر جاتا، اسے ذلیل جانتے تھے۔

اچھائیاں بُرائیاں بن گئیں لیکن یہ خصلتیں جو اصل میں بہت اچھی تھیں آہستہ آہستہ حد درجے کی برائیاں بن گئیں۔ آزادی اور خود مختاری کی محبت نے آخری حد پر پہنچ کر خود سری کی شکل اختیار کر لی اور عرب لوگ قاعدے اور تنظیم سے بھاگنے لگے۔ شجاعت اور جوانمردی کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ خونریزی کے عادی بن گئے۔ چھوٹی

چھوٹی باتوں پر لڑنے لگتے تو پشتوں تک قتل و غارت کا سلسلہ جاری رہتا۔ مال و دولت سے بے پروائی، اسراف اور فضول خرچی بن گئی۔ نسب پر گھمنڈ اور خود پسندی ان میں اتنی آگئی کہ کسی کو خاطر ہی میں نہ لاتے تھے۔ فصاحت اور زبان آوری کو نہایت غلط چیزوں میں استعمال کرتے تھے۔ بدعملیوں پر فخر ان کا عام شیوہ بن چکا تھا۔ بات بات میں اپنی تعریف کرتے اور دوسروں کو حقیر گردانتے بعض لوگ لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی مار ڈالتے یا زندہ گاڑ دیتے، اس خیال سے کہ بڑی ہوں گی تو ان کی شادی کرنی پڑے گی۔ پھر کسی کو داماد بنانے کی ضرورت پیش آئے گی۔

خوفناک عیب پھر ان کو شراب اور جوئے کی لت پڑ چکی تھی۔ بعض لوگوں نے یہودیوں کی صحبت میں سود لینا شروع کر دیا تھا، جس نے بڑی خوفناک شکل اختیار کر لی۔ دو سگی بہنوں سے ایک ہی وقت میں شادی کر لیتے۔ باپ مر جاتا تو اپنی ماں کے سوا اس کی دوسری بیویوں کو بھی ورثہ سمجھ کر بیویاں بنا لیتے۔ چوری اور ڈکیتی عام تھی۔ جو ڈاکو تھوڑے آدمیوں کے ساتھ بڑے بڑے قافلوں پر حملے کر کے قتل و غارت کا بازار گرم کر دیتے تھے، ان کی بڑی تعریفیں ہوتی تھیں۔ اجتماعی زندگی کی بنیاد تین چیزیں ہیں: جان کا پاس، مال کی حفاظت اور آبرو کا لحاظ۔ یہ تینوں بنیادی چیزیں مٹ چکی تھیں۔ لڑائیوں میں دشمنوں کو زندہ جلا دیتے عورتوں کے پیٹ چاک کر ڈالتے، بچوں تک کو تلوار کے گھاٹ اُتار دیتے۔ غرض برائیوں میں وہ اس حد تک آگے نکل چکے تھے

کہ ظاہرا اصلاح و درستی کی کوئی امید باقی نہ رہی تھی۔

توہمات پھر ان میں توہمات بہت پیدا ہو چکے تھے۔ بات بات میں فال نکلواتے۔ فال نکالنے کے لیے خاص تیر کعبے میں رکھ لیے گئے تھے۔ سفر میں جاتے اور راستے سے واپس آنا پڑتا تو گھر میں دروازے سے داخل نہ ہوتے بلکہ پشت کی دیوار پھاند کر اندر آتے۔ جانور بتوں کے نام پر چھوڑتے اور انھیں بہت مقدس مانتے۔ اس سے بڑا وہم کیا ہو سکتا تھا کہ اپنے ہاتھ سے تراشے ہوئے بتوں کو پوجتے تھے اور سمجھتے تھے کہ یہی پوجا انھیں خدا کے ہاں اونچا درجہ دلائے گی۔ انسانیت کی آبرو لٹ چکی تھی۔ اور اس کی عزت پامال ہو چکی تھی۔ ہر طرف تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ فسق و فجور، خونریزی، خانہ جنگی، قتل و غارت، بے جا فخر، بے معنی غرور اور بدامنی کا دور دورہ تھا۔ اس اندھیرے میں خدا کی رحمت کا آفتاب ہی اُجالا کر سکتا تھا۔ اسی آفتاب کی جلوہ فرمائیوں پر خدا کے نیک بندوں کی نظریں جمی ہوئی تھیں۔ وہ طلوع ہوا تو صرف عرب ہی نہیں، ساری دنیا میں اجالا ہو گیا۔ نیکی بدی سے، اچھائی برائی سے اور ہدایت گمراہی سے بدل گئی۔ یہ خدا کے آخری نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظہور تھا، ان پر ابد تک درود اور سلام ہو۔

پانچواں باب

مکّہ مکرّمہ اور قریش

مکّہ مکرّمہ مکہ شریف اُونچے پہاڑوں کے درمیان ایک وادی میں آباد ہے۔ یہ وادی شمالی سمت میں ذرا بلند ہے اور جنوبی سمت میں اس کی سطح نیچی ہوتی جاتی ہے۔ اس وجہ سے مکّہ شریف کے شمالی حصّے کو "معلےٰ" یعنی اونچی جگہ اور جنوبی حصّے کو مسفلہ یعنی نیچی جگہ کہتے ہیں۔ اس وادی میں بھی چھوٹے چھوٹے ٹیلے تھے، جو اب شہر کی آبادی میں آگئے ہیں اور صرف ان کی جگہوں کے نشان باقی رہ گئے ہیں، مثلاً صفا اور مروہ کی پہاڑیاں۔

قرآن شریف میں مکّے کی وادی کو "وادِ غیرِ ذی زرع" کہا گیا ہے، یعنی ایسی وادی جو بنجر ہے اور اس میں کھیتی باڑی نہیں ہوتی۔ خدائے پاک کی شانِ کریمی دیکھیے کہ اس بنجر وادی میں وہ گھر بنا، جس کی عزّت و حرمت کے سامنے روزانہ کروڑوں انسانوں کے سر جھکتے ہیں۔ اس بنجر وادی میں وہ پاک تعلیم پیدا ہوئی، جس نے کروڑوں دلوں کو اس درجہ زرخیز بنا دیا کہ ایمان اور عملِ صالح کی جنسوں کے انبار ہر طرف لگ گئے۔

حضرت اسماعیلؑ حضرت ابراہیمؑ جب خدا کے حکم کے مطابق حضرت اسماعیلؑ اور اُن کی والدہ ہاجرہؓ کو اس بنجر وادی میں

چھوڑ گئے تو وہاں کوئی آبادی نہ تھی۔ خدا نے اس بے آباد اور بے آب جگہ میں زمزم پیدا کر دیا، جسے جاری ہوئے چار ہزار برس گزر چکے ہیں، روزانہ لاکھوں آدمی اس کا پانی پیتے ہیں۔ یہ پانی تبرک کے طور پر دنیا کے ہر خطے میں پہنچتا ہے، لیکن اب تک اسی طرح جاری ہے، جس طرح پہلے دن جاری تھا۔

حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ خدا کی راہ میں سب کچھ قربان کر دینے کا امتحان دے چکے، تو انھیں کے مقدس ہاتھوں سے خدا کا پاک گھر تعمیر ہوا، جس کے پاس حضرت اسماعیلؑ خیمہ کھڑا کر کے رہنے لگے۔ وہ اس پاک گھر کے رکھوالے تھے۔ وہاں لوگ آنے لگے تو انھوں نے بھی خیمے لگا لیے۔ حضرت اسماعیلؑ نے آل جرہم کی ایک خاتون سے شادی کر لی۔ خدا نے انھیں بارہ بیٹے دیے، جن میں سے ایک کا نام قیدار تھا۔ اسی قیدار کی اولاد میں سے عدنان تھے، جن کے نام پر اولاد اسماعیلؑ کی ایک شاخ بنو عدنان کہلاتی ہے۔ اسی قیدار کی اولاد میں سے ہمارے رسولؐ پاک تھے۔

کعبے کی نگہبانی حضرت اسماعیلؑ کے بعد ان کے بڑے بیٹے نابت کعبے کے نگہبان بنے، پھر نابت کے نانا نے یہ منصب اپنے قبضے میں کر لیا اور حضرت اسماعیل کی اولاد اس شرف سے محروم ہو گئی۔

بڑی دیر تک جرہم قبیلہ کعبے کا متولی اور نگہبان بنا رہا۔ پھر عرب عاربہ یعنی بنو قحطان میں سے ایک قبیلے نے غلبہ حاصل

کرلیا، جس کا نام خزاعہ تھا۔ خزاعہ نے کعبے کو بھی جرہم سے چھین لیا۔ جرہم والوں نے یہ عزیز متاع چھنتی دیکھی تو اپنا مال اٹھا کر زمزم میں ڈالا اور اسے بند کرکے بے نشان کردیا۔ غرض یہ تھی کہ خزاعہ کو پانی نہ ملے گا تو وہ خود کعبے کو چھوڑ جائیں گے۔ جرہم کو جب کسی صورت میں بھی اپنا مقصد پورا ہوتا نظر نہ آیا تو یمن چلے گئے اور کعبے کا انتظام خزاعہ کے ہاتھ میں رہا

کعبے کی مرکزیت حقیقت یہ ہے کہ کعبہ عام لوگوں کے نزدیک بہت مقدس جگہ تھی۔ ہر سال ہزاروں آدمی وہاں حج کے لیے آتے تھے۔ اس پاک جگہ کا انتظام ہاتھ میں لینے کا مطلب یہ تھا کہ سارے عربوں کی سرداری مل جاتی۔ خزاعہ کو یہی لالچ کعبے لایا تھا۔ انھوں نے پانی کی تکلیف برداشت کرلی، لیکن کعبے کی نگہبانی نہ چھوڑی۔

بُت پرستی قبیلہ خزاعہ کا ایک سردار تجارت کے سلسلے میں شام گیا۔ وہاں لوگوں کو بت پوجتے دیکھا تو شام سے چند بت اٹھا لایا اور انھیں کعبے کے آس پاس لاکر رکھ دیا۔ اس وقت سے عرب میں بت پرستی کی عام شہرت ہوگئی۔ بت پرستی کے عام ہونے کا ایک سبب یہ بھی قیاس میں آتا ہے کہ جو لوگ کعبے کی زیارت کے لیے آتے تھے، وہ اس کے پاس سے ایک دو پتھر تبرک کے طور پر ساتھ لے جاتے تھے۔ تبرک کے یہ پتھر گھر گھر میں پہنچ گئے شروع شروع میں ان کی عزت ہوتی تھی۔ عزت نے ترقی کرتے کرتے پرستش کی صورت اختیار کرلی۔

قریش اور قصی

حضرت اسماعیلؑ کے فرزند قیدار کی اولاد میں سے ایک شخص کا نام فہر تھا، وہی سب سے پہلے "قریش" کے لقب سے مشہور ہوا اور اس کی ساری اولاد کو قریش کہنے لگے۔

پانچویں صدی عیسوی میں قریش میں سے ایک غیر معمولی شخص اٹھا جس کا نام قصی تھا۔ یہ بڑا دور اندیش، منتظم اور ہمت ور تھا۔ اس کے دل میں یہ جذبہ پیدا ہوا کہ خانہ کعبہ کی نگھبانی کو اپنے قبضے میں لے، جو اس کے دادا حضرت اسماعیلؑ کی میراث تھی۔ قصی نے اپنی قوم کے لوگوں میں خوب اتفاق پیدا کر لیا اور بڑے اثر و رسوخ کا مالک بن گیا۔ خزاعہ کے رئیس کی بیٹی سے اس کی شادی ہو گئی۔ اس رئیس نے مرتے وقت وصیت کر دی کہ کعبے کی نگھبانی میری بیٹی کے ہاتھ میں رہے گی۔ اس طرح قصی کی بیوی آلِ اسماعیلؑ کے ورثے کی مالک بنی اور قصی نے شوہر کی حیثیت میں نگھبانی کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

خزاعہ نے اپنے قبیلے کی ریاست قصی کے قبضے میں جاتی دیکھی تو بہت بگڑے اور لڑائی کے لیے تیار ہو گئے۔ قصی نے بھی اپنی قوم کو جمع کر لیا۔ سخت جنگ کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ دونوں فریق کسی کو ثالث مان لیں۔ ثالث نے قصی کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ کعبے کا عہدہ ملتے ہی نہ صرف قصی بلکہ قریش کی پوری قوم عرب کی سردار بن گئی۔

نگھبانی کے کام کی شاخیں

قصی نے کعبے کا نگھبان بن جانے

کے بعد اول اس کی عمارت ٹھیک کی، پھر انتظامی کاموں کو مختلف حصوں میں بانٹ کر ہر کام قریش کے ایک خاندان کے سپرد کر دیا۔ اس کی کیفیت یہ ہے:

(۱) سقایہ : یعنی حاجیوں کو پانی پلانا۔ زمزم کو جرہم جاتے وقت بے نشان کر گئے تھے اور کعبے کے پاس پانی حاصل کرنے کا اور کوئی ذریعہ نہ تھا۔ حج کے موقع پر ہزاروں لوگ جمع ہو جاتے تھے، ان کے لیے پانی کا پورا انتظام کرنا پڑتا تھا۔

(۲) رفادہ : یعنی غریب حاجیوں کی مالی امداد۔ اس غرض کے لیے قریش ہر سال چندے سے بھاری رقم جمع کر لیتے تھے۔

(۳) حجابہ : یعنی کعبے کی کلید برداری۔

قومی نظام اس کے علاوہ قصی نے قومی ضرورتوں کے لیے بھی بہت اچھے انتظامات کر دیے اور ہر انتظام کو ایک خاص قبیلے کے ہاتھ میں دے دیا۔ مثلاً:

(۱) عقاب : جنگوں کے موقع پر علم داری کا منصب۔

(۲) قیادہ : جنگوں میں کمانداری کا منصب۔

(۳) سفارت : قریش کی طرف سے سفیر بن کر جانا۔

(۴) دیات : باہمی لڑائیوں میں یہ فیصلہ کرنا کہ کسی کو خوں بہا میں کتنی رقم ملنی چاہیے۔

(۵) قبہ : جنگوں میں سوار فوج کی افسری اور کیمپ کا انتظام۔

(۶) شوریٰ : قومی کاموں کے سلسلے میں تمام لوگوں

کو اکٹھا کرنا۔

(۸) قضا: مقدمات کا فیصلہ۔

مکانات کی تعمیر

قصی کے زمانے تک کعبے کو بنے ہوئے اڑھائی ہزار سال گزر چکے تھے، لیکن اس کے آس پاس کسی نے مکان نہ بنایا تھا۔ سب لوگ خیموں میں رہتے تھے۔ قصی نے سب سے پہلے مکانات تعمیر کرائے اور قریش قبیلے کے لوگوں کو جگہ جگہ سے اٹھا کر مکے میں آباد کیا۔ اپنے لیے ایک بڑا محل بنایا، جس کا دروازہ کعبے کے پاس مسجد حرام کے صحن میں کھلتا تھا۔ ایک مکان اس غرض سے بنوایا کہ قریش کے سردار اس میں مشورے کے لیے جمع ہو جایا کریں، اسے دارالندوہ کہتے تھے۔

قصی کے ان کارناموں کی بدولت خود اس کی اور قریش کی بڑی شہرت ہو گئی۔ سارے عرب پر ان کی دھاک بیٹھ گئی۔

چھٹا باب

ہاشم کا گھرانا

قریش کے ممتاز خاندان قریش کے بعض ممتاز خاندانوں کی سرسری کیفیت یہ ہے:

(۱) بنو تیم: قصی کے چچا کی اولاد۔ اس خاندان کے آفتاب حضرت ابوبکر صدیقؓ تھے۔

(۲) بنو عدی: قصی کے دادا مرہ کے ایک بھائی کی اولاد۔ حضرت عمر فاروقؓ اسی خاندان سے تھے۔

(۳) بنو مخزوم: قصی کے دوسرے چچا کی اولاد۔ اس خاندان میں سے حضرت خالد ابن ولید خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ابوجہل بھی اسی خاندان سے تھا۔

(۴) بنو زہرہ: قصی کے ایک بھائی کی اولاد۔ رسولؐ پاک کی والدہ بی بی آمنہ، حضرت عبدالرحمٰنؓ ابن عوف اور حضرت سعد ابن ابی وقاص اسی خاندان سے تھے۔

(۵) بنو اسد: قصی کے بیٹے عبدالدار کی اولاد۔ حضرت خدیجہؓ اور حضرت زبیرؓ بن العوام اسی خاندان سے تھے۔

(۶) بنو امیہ: قصی کے ایک پوتے کی اولاد۔ حضرت عثمانؓ

اور حضرت معاویہؓ اسی خاندان سے تھے۔

ہاشم

قصی کے چار بیٹے تھے۔ جن میں سے دو خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں: ایک عبدالدار، دوسرا عبد مناف۔ باپ کی وفات کے بعد عبدالدار سردار بنا، لیکن وہ زیادہ قابل نہ تھا، اس لیے قریش نے عبدمناف کو سردار بنا لیا۔

عبدمناف کے بھی چار بیٹے تھے۔ عبدشمس، مُطّلِب، ہاشم اور نوفل۔ انھیں کعبے کی نگہبانی میں سے دو منصب ملے۔ ایک حاجیوں کو پانی پلانے کا منصب، دوسرے نادار حاجیوں کی امداد کا انتظام۔ چونکہ ہاشم ان چاروں میں سب سے قابل تھے، اس لیے دونوں منصبوں کا سارا کام انھیں نے سنبھال لیا۔

ہاشم نے اپنے فرائض اس خوبی اور خوش اسلوبی سے پورے کیے کہ سب ان کی دانشمندی اور فرض شناسی کے گن گانے لگے۔ ایک مرتبہ قحط پڑ گیا، تو ہاشم نے اس زمانے میں غریبوں کی دل کھول کر امداد کی۔

وہ بڑے دور اندیش تھے خود روم اور شام کے درباروں میں پہنچے اور وہاں سے قریش کے تجارتی قافلوں کے لیے خاص حقوق حاصل کیے۔ اس طرح قریش کی تجارت خوب چمک اٹھی۔ وہ گرمیوں کے موسم میں شام کی طرف جاتے تھے اور سردیوں کے موسم میں یمن کی طرف۔ سورۂ ایلاف میں انھیں سفروں کو رحلۃ الشتاء (سردیوں کا سفر) اور

رحلتہ الصیف (گرمیوں کا سفر) کہا گیا ہے۔

ہاشم ایک مرتبہ شام کی طرف گئے ہوئے تھے، واپس آتے ہوئے راستے میں بیمار پڑے اور غزہ (فلسطین) میں وفات پائی۔

عبدالمطلب ہاشم کی وفات کے وقت ان کے چاروں لڑکے کم عمر تھے، اس لیے ان کے بھائی "مطلب" نے سارے کام سنبھال لیے۔ ہاشم نے ایک شادی یثرب (مدینہ شریف) میں بھی کی تھی بی بی وہیں رہیں۔ وہیں ان سے ایک بیٹا پیدا ہوا، جس کا نام "شیبہ" رکھا گیا۔ مطلب اپنے اس عزیز بھتیجے کو مدینے سے مکے لائے اور بڑی شفقت سے پرورش کی۔ مکے شریف کے لوگ انھیں عبدالمطلب (لفظی معنے مطلب کا غلام، لیکن سمجھنا چاہیے، مطلب کا پالا ہوا) کہنے لگے۔ یہی عبدالمطلب ہمارے رسولؐ پاک کے دادا تھے۔ خاندان بھر میں دانشمندی اور قابلیت میں کوئی ان کا ہمسر نہ تھا۔

زمزم کی تلاش زمزم مدت سے اٹا پڑا تھا۔ اور بے نشان ہو چکا تھا۔ عبدالمطلب کی بڑی آرزو تھی کہ انھیں زمزم کا نشان مل جائے تو اسے پھر سے جاری کر دیں۔ ایک مرتبہ خواب میں اس کا نشان دیکھا۔ اسی جگہ کو کھودنے لگے۔ خدا نے ان کی آرزو پوری کر دی۔ زمزم جاری ہو گیا۔ اس واقعہ سے عبدالمطلب کی عزت اور نیک نامی بہت بڑھ گئی۔

قربانی کی منت پھر انھوں نے منت مانی کہ خدا انھیں دس بیٹے دے گا اور وہ جوانی کو پہنچیں گے تو ایک بیٹے کو خدا کی

راہ میں قربان کر کے سُنّت ابراہیمی کی برکت حاصل کریں گے۔ خدا نے یہ آرزو بھی پوری کر دی۔ دس بیٹے جوان ہو گئے تو قرعہ ڈالا کہ کسے قربان کریں۔ قرعہ عبداللہ کے نام نکلا ، جو عبدالمطّلب کو سب سے پیارے تھے۔ انھیں قربانی کے لیے لے چلے تو قریش کے سرداروں نے روک دیا کہ ان کے بدلے میں اُونٹ قربان کر دیجیے۔ چنانچہ بیٹے کے بدلے میں ایک سو اونٹ قربان کیے۔

اصحاب الفیل کا حملہ عبدالمطّلب کے عہد کا ایک بڑا واقعہ یہ ہے کہ یمن کے حبشی گورنر ابرہہ نے مکّے شریف پر حملہ کیا۔ اس نے اپنے مرکز حکومت ، صنعا ، میں ایک کلیسا بنایا تھا اور یہ چاہتا تھا کہ لوگ کعبے کا خیال چھوڑ کر اس کلیسا کا حج کیا کریں۔ عرب اگرچہ حضرت ابراہیمؑ کے دین کو بھلا چکے تھے ، لیکن کعبے کی عظمت کو کیوں کر بھول سکتے تھے ، جس کے سامنے اڑھائی ہزار برس سے دنیا کی گردنیں جھکتی آئی تھیں ؟ ابرہہ کی خواہش پوری نہ ہوئی تو اسے سخت غصّہ آیا اور اس نے فیصلہ کر لیا کہ معاذ اللہ ، کعبے کو ڈھا کر رکھ دے گا۔

[1] اس کلیسا کا کوئی نشان اب موجود نہیں۔ کہتے ہیں کہ ابرہہ نے اس کلیسا کے لیے ملکہ سبا کے شہر مارب کے کھنڈروں سے پتھر منگوا کر استعمال کیے تھے۔ یاقوت نے معجم البلدان میں لکھا ہے کہ مارب کا بند اسی زمانے میں ٹوٹا تھا جب یمن پر اہل حبشہ قابض تھے۔ بند کے ٹوٹنے سے مارب اور اہل سبا کی ساری آبادیاں برباد ہوئیں۔

ساٹھ ہزار کا لشکر لے کر آیا، جس کے ساتھ ہاتھی بھی تھے۔ بڑے لشکر کو دیکھ کر قریش بہت پریشان ہوئے۔ عبدالمطّلب خود ابرہہ کے پاس پہنچے۔ وہ ان کی وضع قطع، شرافت اور طرزِ گفتگو سے بہت خوش ہوا۔ پوچھا کس غرض سے آئے ہو؟ جواب دیا کہ میرے اونٹ فوج نے پکڑ لیے ہیں، وہ واپس دلا دیے جائیں، ابرہہ بولا: میں تمھارے کعبے کو ڈھانے آیا ہوں، اس کا کچھ خیال نہ کیا؟ عبدالمطّلب نے بے پروائی سے کہا: میں اونٹوں کا مالک ہوں۔ اس پاک گھر کا بھی ایک مالک ہے، وہ خود اس کی حفاظت کرے گا۔

ابرہہ کا لشکر مکّہ شریف سے مشرق میں پانچ چھ میل پر ٹھہرا تھا۔ ابھی وہ حملے کی تدبیریں سوچ ہی رہا تھا۔ کہ خدا کی رحمت سے اس کا لشکر تباہ ہو گیا۔ اور وہ نامراد واپس گیا۔ قرآن شریف میں ہے:

کیا تجھے معلوم نہیں تیرے پروردگار نے ہاتھی والوں سے کیا معاملہ کیا؟ کیا ان کے وسیلے کو نکما اور باطل نہ کر دیا؟ ان پر جھنڈ جھنڈ پرندے بھیجے جو ان پر کنکر مارتے تھے اور انہیں کھائے ہوئے بھس کی مانند کر دیا۔

ساتواں باب

عرب کی ہمسایہ قومیں

ہمسایہ قومیں عرب کے پڑوس میں چار ملک ہیں : مشرق میں ایران، شمال میں ایشیائے کوچک، مغرب میں مصر اور جبشہ۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور کے وقت ان چاروں کے سیاسی اور اخلاقی حالات کا تھوڑا سا ذکر بھی کر دینا چاہیے تاکہ یہ اندازہ ہو سکے اسلام کس ماحول میں پیدا ہوا اور کس طرح پھولا پھلا۔

ان میں سے ایرانی کہنے کو دین زرتشت کے پیرو تھے۔ اگرچہ دین زرتشت کی اصل روح مر چکی تھی اور عقائد و اعمال میں اتنی خرابیاں پیدا ہو چکی تھیں کہ اصل دین گویا مسخ ہو چکا تھا۔ ایشیائے کوچک اور شام و مصر رومیوں کے ماتحت تھے جو تین سو برس پہلے مسیحیت قبول کر چکے تھے، لیکن اس مسیحیت اور عیسٰے علیہ السلام کے لائے ہوئے پاک دین میں نام کے سوا کوئی مناسبت نہ تھی، جبشہ والے بھی مذہباً عیسائی ہی تھے۔

ایرانی ایران میں ساسانی خاندان کی حکومت تھی۔ جس کی بنیاد اردشیر بابکاں نے تیسری صدی مسیحی میں رکھی۔ اس خاندان میں کل انتیس بادشاہ ہوئے، جن میں سب سے زیادہ مشہور خسرو اوّل ہے عام لوگ اُسے نوشیرواں کے نام سے جانتے ہیں، جس کے عدل

کی داستانیں بہت مشہور ہیں۔ نوشیرواں ۵۳۱ء میں بادشاہ بنا اور ۵۷۹ء میں فوت ہوا۔ رسولؐ پاک اسی کے عہد میں پیدا ہوئے۔ عراق و یمن دونوں نوشیرواں کے عہد میں ایران کے زیراثر آچکے تھے اور ساسانی سلطنت اپنے آخری عروج پہ پہنچ گئی تھی۔
ساسانی خاندان کا بانی اردشیر ایران کے اس پرانے خاندان کی نسل سے ہونے کا دعوے دار تھا، جسے اسکندر یونانی نے مٹا کر ایران پر قبضہ کیا تھا۔ یونانیوں کے بعد اشکانی بادشاہ ہوئے، جنھیں ایرانی غیر قوم کے آدمی سمجھتے تھے۔ اردشیر نے مذہب و قوم کا نام لے کر عام لوگوں کو اشکانیوں کے خلاف اُبھارا تھا، گویا مذہب و قوم کے نام پر سلطنت حاصل کی تھی۔ اپنے آپ کو ہر دلعزیز بنائے رکھنے کے لیے بھی مذہبی اور قومی تعصب ہی سے کام لیا۔ تعصب میں ▪ بہت آگے نکل گیا۔ کسی کے متعلق اختلاف کا شبہ بھی پیدا ہو جاتا تو اُسے فوراً قید میں ڈال دیتا یا قتل کرا دیتا۔
عام لوگوں کے لیے لیاقت اور قابلیت کی بِنا پر اونچا عہدہ حاصل کرنے کا کوئی موقع نہ تھا۔ صرف سات خاندان تھے، جن میں سے سپہ سالار یا وزیر یا گورنر چنے جاتے تھے۔ ایسے حالات میں عوام کی بھلائی اور بہبود کی کون سی امید پوری ہو سکتی تھی؟ ان کی مالی اور اخلاقی حالت بہت خراب ہو گئی۔

خسرو پرویز کا زمانہ نوشیرواں کے پوتے خسرو پرویز کے عہد حکومت میں ساسانیوں کی عظمت و شوکت نے آخری انگڑائی لی۔ اس کے

عہد میں رومیوں کے ساتھ از سر نو جنگ شروع ہوئی۔ خسرو نے پہلے پہل رومیوں کو سخت شکستیں دیں، لیکن جب لڑائی کا پانسہ پلٹا تو خود شکستوں پر شکستیں کھانے لگا۔ آخر بیٹے کے ہاتھوں معزول ہؤا اور مارا گیا۔ اس کے بعد عام ابتری پھیل گئی اور ایران کا مرکزی نظام بہت کمزور ہوگیا۔ خسرو پرویز ہی کے پاس رسولِ پاک نے قبول اسلام کا دعوت نامہ بھیجا تھا۔ اس نے آپؐ کے نامہ مبارک کو چاک کر ڈالا۔ آپؐ نے سُنا تو فرمایا اس کی سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ چنانچہ تھوڑی دیر بعد پیش گوئی پوری ہوئی۔

بہر حال ایرانیوں کے عقیدہ و عمل میں وہ تمام خرابیاں پیدا ہو چکی تھیں جو اونچے طبقے کی بے پناہ دولت اور نچلے طبقے کی بے پناہ غریبی میں عام طور پر پیدا ہو جاتی ہیں۔ اونچے طبقے کے لوگ کاہل اور آرام طلب بن چکے تھے۔ وہ عاقبت سے بے پروا اور انجام سے بے خبر ہو کر ہوس جو شیوں اور عیش آرائیوں میں ڈوب چکے تھے۔ نچلے طبقے کے سامنے کوئی مقصد اور نصب العین نہ رہا تھا۔ احتیاج نے ان کی ہمتیں پست کر دی تھیں، حوصلے توڑ ڈالے تھے اور انھیں ہر طرف مایوسی کا اندھیرا نظر آتا تھا۔

رومی رومی بہت بڑی سلطنت کے مالک تھے۔ ان کے شاہنشاہ کانسٹنٹائن (قسطنطین) نے روما کے علاوہ بائزنطیم کو اپنا دوسرا مرکزِ حکومت بنایا جو آبنائے باسفورس پر یونانیوں کا مشہور شہر تھا۔ کانسٹنٹائن نے اپنے نام پر اس شہر کا نام

کانسٹنٹی نوپل (کانسٹنٹائن کا شہر) رکھا جسے عرب قسطنطنیہ[1] کہتے تھے۔ کانسٹنٹائن فوت ہوا تو اس کی سلطنت دو حصّوں میں بٹ گئی ایک بیٹے نے مغربی سلطنت سنبھال لی، اس کا مرکز روما تھا۔ دوسرا بیٹا مشرقی سلطنت کا مالک بن گیا، اس کا پائے تخت قسطنطنیہ رہا۔ ایشیائے کوچک، شام اور مصر مشرقی سلطنت کے صوبے تھے۔ بڑے بڑے جرنیلوں کو ان صوبوں کی گورنریاں دی جاتی تھیں۔ کانسٹنٹائن نے ۳۲۵ء میں عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا اور یہی حکومت کا مذہب بن گیا تھا۔ شام کے جنوبی حصّے میں غسانیوں نے حکومت قائم کر لی تھی۔ وہ اگرچہ اصلاً عرب تھے، لیکن رومیوں کے زیر اثر آئے تو عیسائی بن گئے اور انھوں نے رومیوں ہی کے طور طریقے اختیار کر لیے۔

خود رومی حاکموں اور ان کی رعایا کی حالت بڑی خراب تھی۔ اول بادشاہوں اور ان کے خاص امیروں کو اپنے آرام و عیش کے سوا کسی بات کا خیال نہ تھا، رعایا پریشان حال تھی۔ دوسرے عیسائیوں میں نئے نئے فرقے پیدا ہوتے گئے۔ اس وجہ سے باہم جھگڑے اور کشمکشیں شروع ہو گئیں۔ تیسرے ایران کے ساتھ لڑائیاں چھڑ گئیں، جو بڑی دیر تک جاری رہیں۔ خسرو پرویز کے عہد میں ایرانی قسطنطنیہ کے دروازوں پر پہنچ گئے تھے، اگرچہ

[1] ۱۴۵۳ء میں ترکوں نے اس شہر کو فتح کر لیا تو اس کے بعد بھی شہر کا نام قسطنطنیہ ہی مشہور رہا، علامہ اقبالؒ نے بلاد اسلامیہ میں یہی نام استعمال کیا ہے، آج کل اس کا نام استنبول ہے۔

بعد میں پیچھے ہٹنے پر مجبور ہوئے۔ تاہم مشرقی رومی سلطنت کا خزانہ خالی ہوگیا اور ملک پر بڑی تباہی آئی۔

حالات کی اس عام خرابی اور ابتری کے باوجود ایران و روم کی سلطنتیں چھٹی صدی عیسوی میں دنیا کی سب سے زیادہ دولت مند اور طاقتور سلطنتیں تھیں۔ ان کے پاس جنگی سازوسامان کی کوئی کمی نہ تھی۔ ہمارے زمانے میں امریکہ اور روس کو وہ حیثیت حاصل نہیں جو چھٹی صدی عیسوی میں رومی اور ایرانی سلطنتوں کو حاصل تھی۔

اہل حبشہ حبشہ کی سلطنت رومیوں اور ایرانیوں کے مقابلے میں بہت معمولی تھی۔ حبشہ والوں نے جب یمن پر قبضہ کیا تو وہ بہت خوشحال بن گئے۔ اس لیے کہ ایک تو یمن عرب کا سب سے بڑھ کر زرخیز صوبہ تھا، دوسرے اس کا موقع اور محل ایسا تھا کہ ہندوستان وغیرہ کے ساتھ ساری تجارت کا مرکز یہی تھا۔ اہل حبشہ نے اس موقع سے پورا فائدہ اُٹھایا اور تجارت سے خوب ہاتھ رنگے۔

رومیوں کی طرح اہل حبشہ عیسائی مذہب قبول کر چکے تھے۔ اور یہ حقیقت تسلیم کر لینی چاہیے کہ مذہبی حیثیت میں حبشہ والے رومیوں اور مصریوں سے بہتر تھے۔ ابرہہ اور اس جیسے بعض دوسرے آدمیوں کے تعصب سے قطع نظر کر لیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ حبشہ والوں میں رواداری بہت زیادہ تھی ان کے بادشاہ کا لقب نجاشی[1] تھا۔ رسولؐ پاک کے عہد مبارک

[1] NEGUS

میں جو نجاشی تھا وہ بہت نیک آدمی تھا۔یہی وجہ ہے کہ جب مکے میں قریش نے مسلمانوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑنے شروع کیے اور مسلمانوں کے لیے وہاں ٹھہرے رہنا ممکن نہ رہا، تو رسولؐ پاک نے انھیں حبشہ چلے جانے کی اجازت دے دی۔اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ حبشہ جانا آسان تھا۔ایک وجہ یہ بھی تھی کہ حبشہ میں مسلمانوں کو امن مل جانے کی امید تھی اور یہ امید پوری ہوئی جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہو گا۔

آس پاس کی قوموں کے اس نقشے کو سامنے رکھ کر ظہور اسلام کی سرگزشت پڑھی جائے تو مختلف واقعات کی حقیقی حیثیت بخوبی ذہن میں بیٹھتی جائے گی اور آیندہ چل کر جنگ وصلح کے جو واقعات پیش آئے، اُن کو سمجھنے میں دقت پیش نہ آئے گی ؛

آٹھواں باب

ظہور قدسی

رسولؐ پاک کے والد عبدالمطلب کے بیٹے عبداللہ قربانی سے بچ جانے کے بعد پچیس برس کے ہوئے تو والد نے قریش کے ایک معزز خاندان کی صاحبزادی آمنہ بنت وہب سے شادی کر دی۔ شادی کو تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ عبداللہ کو تجارتی قافلے کے ساتھ شام کی طرف جانا پڑا۔ واپس آتے ہوئے راستے میں بیمار ہوئے اور یثرب میں ٹھہر گئے، جہاں ان کے والد کی ننھیال تھی۔ بعض بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یثرب میں وہ کھجوریں خریدنے کے لیے گئے تھے۔ بہرحال وہیں فوت ہو گئے۔ اس طرح بی بی آمنہ شادی سے چند ماہ بعد بیوہ ہو گئیں اور وہ پاک وجود (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) پیدائش سے پہلے ہی باپ کے سایۂ شفقت سے محروم ہو گیا، جو پوری انسانیت کے لیے ماں اور باپ سے ہزار درجے بڑھ کر رحمت اور شفقت کا سایہ بننے والا تھا۔

مرنے والے نے جو ترکہ چھوڑا وہ کیا تھا؟ پانچ اونٹ، چند بکریاں اور ایک خادمہ، ام ایمن۔ بی بی آمنہ یہ سامان

لے کر عبدالمطّلب کے گھر آگئیں۔

ظہور قدسی ۲۰- اپریل ۵۷۱ء کو اس پاک وجود نے دُنیا میں قدم رکھا، جس کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام اڑھائی تین ہزار برس پہلے دعا مانگ چکے تھے۔ ▪▪ نور جلوہ گر ہوگیا جس کے ظہور کی خوش خبری حضرت عیسٰے علیہ السلام نے چھ سو برس پہلے سنائی تھی:

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا

فقیروں کا ملجا، ضعیفوں کا ماوٰی
یتیموں کا والی، غلاموں کا مولیٰ

صلی اللہ علیہ وسلّم۔ پیر کا دن تھا۔ مشرق کی پیشانی صبح کے نور کی دودھیا روشنی سے جگمگانے لگی تھی۔ گویا یہ بھی قدرت کی طرف سے اس بات کا اشارہ تھا کہ نامرادیوں اور مایوسیوں کی رات ختم ہوگئی۔ گمراہی اور حق ناشناسی کے اندھیرے نے سفر کا سامان باندھ لیا۔ ہدایت کا سورج طلوع ہونے کا وقت آگیا۔ انسانیت کے مرجھائے ہوئے باغ میں پھر شادابی و تازگی کی بہار آئے گی۔ ایمان و اخلاق کی اُجڑی ہوئی بستیاں دوبارہ آباد ہوں گی۔ خدا سے ٹوٹے ہوئے رشتے نئے سرے سے جڑ جائیں گے۔

نام مبارک عبدالمطّلب نے پوتے کے پیدا ہونے کی خوشخبری سُنی تو خوش خوش بی بی آمنہ کے پاس آئے۔ بچّے کو گود میں اُٹھا کر کعبے میں لے گئے اور "محمد" (صلعم) نام رکھا، جس کے

معنی ہیں: "وہ جس کی بہت تعریف کی گئی ہو"۔
ساتویں دن قربانی کی اور تمام قریش کو دعوت دی۔ انھوں نے پوچھا بچے کا نام کیا رکھا؟ عبدالمطلب بولے: "محمدؐ" اس نام کا زیادہ رواج نہ تھا۔ مہمان بولے: عام ناموں کو چھوڑ کر یہ نام کیوں پسند کیا؟ عبدالمطلب نے جواب دیا: "میں چاہتا ہوں کہ میرا یہ بچّہ دُنیا بھر کی تعریف اور ستایش کے لایق بنے"۔ سبحان اللہ، اس مبارک وجود کے سوا کون ہے، جس کی تعریف اور ستایش کے غلغلے سے دُنیا کا ہر گوشہ گونجا اور جس کے پاک نام پر ہر آن اور ہر لحظہ فضا میں درود اور سلام کی صدائیں لہریں مارتی رہتی ہیں؟

شیر خوارگی کا زمانہ مکّے شریف کے اونچے گھرانوں میں دستور تھا کہ بچے کو شیر خوارگی کے زمانے میں شہر سے باہر دیہات میں بھیج دیتے تھے۔ غرض یہ تھی کہ دیہات کی کھلی اور صاف آب و ہوا میں بچے پلیں گے تو صحت اچھی رہے گی اور شہری زندگی کی خرابیوں کا اثر ابتدا ہی میں ان پر نہ پڑے گا۔

دیہات سے دودھ پلانے والی عورتیں سال میں دو مرتبہ مکّے شریف آتیں اور امیروں کے بچّوں کو لے جاتیں۔ رسولؐ پاک کی ولادت کو تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ عورتیں بچے لینے کے لیے آئیں۔ حضرت حلیمہؓ سعدیہ نے جو ہوازن قبیلے سے تھیں، رسولؐ پاک کو لے لیا اور بڑی محبت سے لے جا کر پالا۔
آپ دو برس کے ہوئے تو حضرت حلیمہؓ لے کر آئیں۔ انھیں

آپؐ سے اتنی محبت ہوگئی تھی کہ دم بھر کی جدائی گوارا نہ تھی۔ آپؐ کی والدہ سے عرض کیا کہ اجازت دیں تو کچھ دیر اور بچے کو اپنے پاس رکھوں۔ مکے میں وبا پھیلی ہوئی تھی۔ بی بی آمنہ نے اجازت دے دی۔ چنانچہ ایک روایت کے مطابق آپؐ چھ برس کی عمر تک حضرت حلیمہؓ ہی کے پاس رہے۔

حضرت حلیمہؓ کے ساتھ آپؐ کو بڑی محبت تھی۔ جب آپؐ خدا کے پیغمبر بن چکے تھے تو حلیمہؓ ایک مرتبہ ملنے کے لیے آئیں۔ آپؐ "میری ماں" "میری ماں" کہ کر لپٹ گئے جس طرح بچپن میں لپٹا کرتے تھے۔

یثرب کا سفر آپؐ کی عمر چھ برس کی تھی جب والدہ نے یثرب کے سفر کا ارادہ کیا۔ وہ غالباً اپنے مرحوم شوہر کی قبر دیکھنا چاہتی تھیں۔ آپؐ اور ام ایمن کو بھی ساتھ لیا اور تقریباً ایک مہینہ یثرب میں ٹھہریں۔ واپس آتے ہوئے ابوا[1] کے مقام پر پہنچیں تو بیمار ہوگئیں، وہیں وفات پائی۔ والد آپؐ کی ولادت سے پہلے فوت ہو چکے تھے۔ والدہ اُس وقت خدا کو پیاری ہوگئیں، جب آپؐ کی عمر صرف چھ برس کی تھی۔ ام ایمن آپؐ کو ابوا سے مکے شریف لائیں[2]۔

یثرب میں ٹھہرنے کے زمانے کی ایک ایک بات آپؐ کو یاد تھی۔ جب ہجرت کر کے یثرب گئے اور اس مقام نے مدینہ شریف نام پایا

---

[1] مدینے شریف سے مکے شریف کا ایک پرانا راستہ یہ تھا، مدینے شریف سے بدر، بدر سے رابغ پھر عسفان وادی فاطمہ اور مکہ۔ اِسی راستے میں بدر اور رابغ کے درمیان ابوا ہے اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینے شریف سے واپسی پر بی بی آمنہ اسی راستے آئی تھیں۔

[2] بعض روایتوں میں ہے کہ آپؐ کے دادا عبدالمطلب بھی اس سفر میں ساتھ تھے۔

تو ایک مرتبہ آپؐ نے گزرتے گزرتے ایک مکان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اس مکان میں میری والدہ ٹھہری تھیں ۔ ساتھ ہی وہ تالاب دکھایا، جس میں تیرنا سیکھا تھا۔ اور وہ میدان بتایا جس میں آپؐ کھیلا کرتے تھے ۔

عبدالمطلب کی وفات یثرب سے واپس آئے تو عبدالمطلب نے اپنے مرحوم جگر گوشے کی اکلوتی نشانی کو اپنی نگرانی میں لے لیا۔ ہر وقت آپؐ کو اپنے ساتھ رکھتے دو برس بعد وہ بھی چل بسے۔ اس وقت آپؐ کی عمر صرف آٹھ برس کی تھی ۔

انسان زندگی میں جن عزیز سہاروں کے بل بوتے پر پلتا اور جوان ہوتا ہے، وہ سب ایک ایک کر کے چھن گئے ۔ مرتے وقت عبدالمطّلب نے آپ کو اپنے عزیز فرزند ابوطالب کے حوالے کیا جو عبداللہ کے ماں جائے بھائی تھے ۔

ابوطالب کی محبت حضرت ابوطالب نے اس لاڈ اور محبت سے پالا کہ عبداللہ بھی زندہ رہتے تو شاید اس سے زیادہ نہ کر سکتے ۔ اپنے ساتھ کھانا کھلاتے اور ساتھ بٹھاتے۔ رات کو اپنے برابر سلاتے ۔ خود آپؐ کی یہ کیفیت تھی کہ بچپن میں بھی کھیل کود کا بالکل شوق نہ تھا۔ بہت صاف ستھرے رہتے تھے۔ عام بچے کھانے پینے کے وقت چھینا جھپٹی بھی کرتے ہیں، لیکن آپؐ نے کبھی ایسی کوئی حرکت نہ کی ۔ اس سبب سے حضرت ابوطالب بہت پیار کرتے تھے اور سب سے الگ آپؐ کو کھانا کھلاتے تھے ۔

حضرت ابوطالب کی بیوی حضرت فاطمہ بنت اسد (حضرت علیؓ مرتضےٰ کی والدہ) بھی آپؐ سے بہت محبت کرتی تھیں ۔ یہ جب مدینے شریف میں فوت ہوئیں تو رسولؐ پاک نے اپنی قمیص انھیں پہنائی اور لحد کھودی جا چکی تو پہلے خود اس میں لیٹ کر با برکت بنایا۔ پھر حضرت فاطمہؓ کی میت اس میں رکھی گئی ۔

نواں باب

عہد جوانی اور نکاح

سفر شام رسولِ پاک بارہ برس کے ہوئے تو حضرت ابوطالب نے تجارت کے سلسلے میں شام جانے کی تیاری کی۔ سفر لمبا اور کٹھن تھا۔ وہ تکلیف کے خیال سے آپؐ کو ساتھ نہیں لے جانا چاہتے تھے، لیکن چلتے وقت رسولِ پاک جوشِ محبت میں پیارے چچا سے لپٹ گئے حضرت ابوطالب نے دلداری کے خیال سے آپؐ کو ساتھ لے لیا۔ یہ آپؐ کا پہلا سفر تھا۔

"امین" اور "صادق" طبیعت کی نیکی، پاکیزگی اور حسنِ اخلاق کا رنگ شروع ہی سے زمانے بھر سے نرالا تھا۔ اگرچہ سارا وقت ان لوگوں میں گزرتا تھا، جو ہر قسم کی برائیوں میں سر سے پاؤں تک غرق تھے۔ لیکن آپ کی زبان پر کبھی کوئی نامناسب بات نہ آئی۔ آپؐ نے کبھی کوئی ایسی حرکت نہ کی جو شرافت نیکی اور پاکیزگی کے خلاف ہوتی۔ سب سے محبت کرتے۔ ہر ایک کے ساتھ نرمی اور ملائمت سے پیش آتے۔ ایمان داری اور راستبازی کا یہ عالم تھا کہ مکے والوں نے آپؐ کو "امین" (ایماندار) اور "صادق" (سچا) کے لقب دے رکھے تھے۔ یاد رکھو کہ یہ لقب اُن لوگوں سے حاصل کیے، جو ہر قسم کی برائیوں میں لتھڑے ہوئے تھے۔

ان کے دلوں اور دماغوں میں اچھائیوں کا تصور بھی باقی نہ رہا تھا۔ اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ آپؐ کا طرزِ عمل کتنا بلند، کتنا پاک اور دلوں میں کس درجہ گھر کر جانے والا تھا۔

حرب فجار آپؐ کی عمر بیس برس کی ہوگی۔ جب قریش کو حرب فجار" پیش آئی۔ "حرب فجار" کے معنی ہیں "ناجائز لڑائی"۔ چونکہ یہ لڑائی ان مہینوں میں ہوئی تھی، جنھیں عرب حرمت والے مہینے کہتے تھے اور ان میں لڑنا جائز نہ تھا، اس وجہ سے اس لڑائی کو "حرب فجار" کہنے لگے۔ خاندان والوں کے ساتھ آپؐ بھی اس لڑائی میں شامل ہوئے، لیکن قتال میں کوئی حصہ نہ لیا۔ اپنے چچاؤں کو صرف تیر پکڑاتے رہے۔

حلف الفضول عرب میں ہر جگہ لوٹ مار کا دور دورہ تھا۔ عاجزوں اور بیکسوں پر ظلم ہوتے تھے۔ بعض شریف لوگوں کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ ظلم کو روکیں اور مظلوموں کی مدد کریں۔ انھوں نے باہم مل کر عہد کیا اور قسم اٹھائی کہ جس شخص پر ظلم ہوگا اس کو پوری مدد دیں گے اور اس کا حق دلائے بغیر چین سے نہ بیٹھیں گے۔ اس عہد نامے میں رسولِ پاک بھی شریک تھے۔ چونکہ یہ تجویز پہلے ان لوگوں کی طرف سے پیش ہوئی تھی، جن کے ناموں میں "فضل" کا لفظ آتا تھا اور "فضل" کی جمع "فضول" ہے۔ اس وجہ سے عہد نامے کا نام "حلف الفضول" مشہور ہوا، یعنی "فضل" نام اشخاص کا عہد نامہ۔ رسولِ پاک ظلم کو اتنا برا سمجھتے تھے اور مظلوم کی دستگیری کا اتنا خیال تھا کہ نبوت کے زمانے میں ایک مرتبہ حلف الفضول کا ذکر چھڑا، تو آپؐ نے فرمایا: آج بھی کوئی شخص

مجھے "حلف الفضول" کی طرف بلائے تو اس کے بلاوے کو قبول کر لوں گا۔

حضرت خدیجہ کی مختاری جب پورے جوان ہو گئے تو مکے والوں کی طرح آپؐ کو بھی تجارت کا خیال آیا، لیکن کوئی سرمایہ پاس نہ تھا اور نہ آپؐ کے چچا ابو طالب کی مالی حالت ایسی تھی کہ آپ کو مدد کی امید ہوتی۔ اس وقت میں خدا نے اپنی رحمت سے ایک دروازہ کھول دیا مکے میں ایک دولت مند خاتون خدیجہؓ نام تھیں۔ وہ قریش کے اونچے گھرانے میں سے تھیں۔ ہاشمیوں کے ساتھ ان کے گھرانے کی رشتہ داری بھی تھی۔ نیک اور پاک اتنی تھیں کہ لوگ انھیں "طاہرہ" (پاک) کہتے تھے۔ بیوہ ہو چکی تھیں۔ بڑے بڑے دولت مندوں نے شادی کی درخواستیں کیں، لیکن انھوں نے منظور نہ کیں۔ اپنا مال تجارت میں لگائے رکھتیں۔ آپ رسولؐ پاک کی ایمانداری اور سچائی کی شہرت سُن چکی تھیں۔ خود پیغام بھیجا کہ اگر میرا مال قافلے کے ساتھ شام لے جائیں تو دوسروں سے دگنا معاوضہ [illegible]ں گی۔ رسولؐ پاک نے یہ بات منظور کر لی۔ حضرت خدیجہؓ کے مال کو لے کر آپؐ شام گئے، اس احتیاط سے فروخت کیا کہ پہلے سے زیادہ نفع ہوا اور جو چیزیں وہاں سے خرید کر لانی تھیں، وہ بھی بہت سستے داموں خرید لائے۔

شادی سفر سے واپس آئے اور حضرت خدیجہؓ کو آپؐ کی نیکی، ایمانداری اور سچائی کا ذاتی تجربہ ہو گیا تو اپنی ایک سہیلی کے ذریعہ سے خود نکاح کا پیغام دے دیا۔ چچا کے مشورے سے آپؐ نے یہ پیغام قبول فرمالیا اور شادی ہوگئی۔ اس طرح حضرت خدیجہؓ کو اُمت کی پہلی ماں

(ام المومنین) بننے کا شرف حاصل ہوا۔ اس وقت رسولؐ پاک کی عمر مبارک پچیس برس کی تھی۔

شادی کے بعد آپؐ چچا کے گھر سے اُٹھ کر اپنے گھر میں آباد ہوئے، پھر تجارت کے سلسلے میں شام و بحرین وغیرہ جاتے رہے۔

تعمیر کعبہ رسولِ پاک کی عمر ۳۵ برس کی تھی، جب مکے میں بارش کا پانی سیل بن کر آیا۔ بہت سی عمارتیں ڈھے گئیں اور کعبے کو بھی نقصان پہنچا۔ قریش نے کعبے کو نئے سرے سے تعمیر کیا۔ لکڑی بہت کمیاب تھی۔ اتفاق سے جدّہ کے پاس ایک بڑی کشتی ٹوٹ گئی تھی۔ قریش نے اسے خرید لیا۔ اسی کی لکڑی سے کعبے پر چھت ڈالی گئی۔

کعبے کی عمارت کے ایک کونے میں پہلے سے ایک سیاہ پتھر لگا ہوا تھا، جسے "حجر اسود" کہتے ہیں۔ یہ طواف (کعبے کے گرد چکر لگانا) شروع کرنے کا نشان تھا۔ حضرت ابراہیمؑ کے زمانے سے یہ نشان چلا آتا تھا اور لوگ اسے بہت مقدس سمجھتے تھے۔ جب اس پتھر کو اس کی اصلی جگہ لگانے کا وقت آیا تو قریش کے مختلف خاندانوں میں جھگڑا پیدا ہو گیا۔ ہر شخص چاہتا تھا کہ یہ پتھر اس کے ہاتھ سے لگے۔ جھگڑا اتنا بڑھا کہ بعض لوگوں نے لہو سے بھرے ہوئے پیالے میں انگلیاں ڈبو کر قسم کھائی کہ وہ جانیں دے دیں گے اور اپنی ضد نہ چھوڑیں گے۔ عربوں میں یہ بہت بڑی قسم تھی۔

رحمۃ اللعالمین کا فیصلہ ایک دانا آدمی نے جھگڑا بڑھتا دیکھا تو یہ تجویز پیش کر دی کہ مسجد حرام کے "باب صفا" سے جو آدمی پہلے داخل ہو، اسے ثالث مان لیا جائے۔ سب کی نظریں باب صفا کی طرف

اُٹھ گئیں۔ خدا کی شان کہ اسی وقت رسولِ پاک باب صفا سے مسجد میں آگئے۔ سب لوگ پکار اُٹھے: "امین آگئے"۔ "ہمیں ان کا فیصلہ منظور ہے"۔ آپؐ نے جھگڑے کی کیفیت سُنی۔ تو چادر زمین پر بچھادی حجرِ اسود کو اُٹھا کر چادر میں رکھ دیا۔ قریش کے تمام سرداروں کو چادر کے کونے پکڑا دیے اور فرمایا "اسے اُٹھاؤ" سب کے مل کر اٹھانے سے پتھر جب اس جگہ کے برابر پہنچ گیا، جہاں اسے لگانا تھا تو آپؐ نے اُٹھا کر اسے دیوار میں لگا دیا۔ اس طرح سب خاندانوں کو اس پتھر کے لگانے میں شامل ہونے کا موقع مل گیا اور سب خوش ہو گئے۔

رحمتِ عالم کی شانِ کریمی کا یہ بھی ایک نشان تھا اور قدرت کی طرف سے اس بات کا بھی اعلان تھا کہ دنیا کی ہدایت کے لیے وہ پاک وجود آگیا جو سب کے جھگڑے مٹا کر ان میں محبت اور برادری کے پاکیزہ رشتے پیدا کرنے والا تھا۔

مراسمِ شرک سے پرہیز! یہاں ایک بات اور بتا دینی چاہیے اور وہ یہ کہ رسولِ پاک کو نبوت چالیس برس کی عمر میں عطا ہوئی، لیکن اس سے پیشتر کے چالیس برس میں بھی آپؐ کا دامن ان تمام برائیوں سے بالکل پاک رہا، جن میں عرب سراپا ڈوبے ہوئے تھے اخلاق ▪ عادات کی پاکیزگی کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ آپؐ نے کسی ایسی رسم میں بھی کبھی حصہ نہ لیا، جس میں خدائے پاک کی ذات کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک بنانے کا ہلکا سا شبہ بھی پیدا ہو سکتا تھا۔ طینت اور فطرت کی اس پاکیزگی پر تاریخ کے صفحات گواہ ہیں، صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ▪

دسواں باب

آفتاب رسالت

ذکر و فکر۔ عمر مبارک چالیس برس کے قریب پہنچی تو رسولؐ پاک کی توجہ ذکر و فکر اور عبادت کی طرف بہت زیادہ ہوگئی۔ مکے شریف سے تین میل پر ایک ٹیلہ ہے جو راستے سے بھی ہٹا ہوا ہے اور باقی پہاڑوں سے بھی کٹا ہوا ہے۔ دُور سے دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ کسی پُرانے قلعے کا برج ہو گا۔ اس ٹیلے کا نام "کوہ حرا" ہے۔ اس پر چڑھنے کے لیے خاصا چکر کاٹنا پڑتا ہے۔ راستے میں دم لیے بغیر آدمی چوٹی پر نہیں پہنچ سکتا۔ اُوپر چلے جائیں تو چوٹی کا تقریباً آدھا حصّہ ہموار ہے۔ آدھا حصّہ دس بارہ فٹ بلند ہے۔ ہموار حصّے میں ایک طرف پتھر کی دو بڑی بڑی سلیں اُوپر سے مل گئی ہیں اور ایک خیمہ نما حجرہ بن گیا ہے، جس میں ایک آدمی کھڑا ہو کر نماز پڑھ سکتا ہے۔ یہی غار حرا ہے، جس میں رسولِ پاک دُنیا سے الگ تھلگ ہو کر ذکر و عبادت میں لگے رہتے تھے۔ کھانے پینے کا کچھ سامان ساتھ لے جاتے، وہ ہو چکتا تو پھر گھر تشریف لے آتے۔ بعض اوقات دو دو تین تین دن وہیں گزار دیتے۔ اس پہاڑ کو آج کل "جبل نور" کہتے ہیں، اس لیے کہ آسمانی ہدایت کا نور سب سے پہلے اسی مقام پر چمکا تھا۔

رسالت کا آغاز شروع شروع میں آپ کو خواب آنے لگے۔ جو کچھ خواب میں دیکھتے، بعینہٖ وہی پیش آتا۔ یہ رسالت کا آغاز تھا، یعنی قدرت قلب مبارک کو وحی کے لیے تیار کر رہی تھی۔

عمر کے اکتالیسویں برس کا آغاز ہو چکا تھا۔ ۹۔ ربیع الاول (۱۲۔ فروری سنہ ۶۱۰ء) کو پیر کے دن فرشتۂ غیب ظاہر ہوا اور خوش خبری سنائی کہ آپؐ کو خدا نے اپنا رسول بنایا ہے۔ یہ سنتے ہی آپ گھر تشریف لائے اور لیٹ گئے۔ بیوی سے کہا مجھ پر کپڑا ڈال دو۔ جب ذرا طبیعت سنبھلی تو فرمایا کہ میں ایسے واقعات دیکھ رہا ہوں کہ مجھے اپنی جان کا ڈر ہو گیا ہے۔ غمخوار بیوی نے کہا: آپ رشتہ داروں پر شفقت فرماتے ہیں، سچ بولتے ہیں، یتیموں، بیواؤں اور بیکسوں کی دستگیری کرتے ہیں، مہمانوں کو عزت سے کھلاتے پلاتے ہیں۔ مصیبت کے ماروں کی دیکھ بھال کرتے ہیں، خدا آپ کو کبھی غمگین نہ کرے گا۔

نزولِ قرآن چند ماہ بعد رمضان شریف کے مہینے میں (۱۷ یا ۱۸ رمضان مطابق ۱۸۔ اگست سنہ ۶۱۰ء) جمعہ کے دن قرآن شریف کا نزول شروع ہوا۔ حضرت جبرئیل نے خود آپ کو یہ آیتیں پڑھائیں:

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ۔	اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھ، جس نے (سب کچھ) پیدا کیا۔ جس نے آدمی کو گوشت کے لوتھڑے سے بنایا۔ پڑھ تیرا پروردگار بڑا ہی کریم ہے، جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا۔ انسان کو وہ تمام باتیں سکھائیں جو اسے معلوم نہ تھیں۔

اس کے ساتھ ہی جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو وضو سکھایا اور

وضو کرا کے نماز پڑھائی۔

اسلام کی تبلیغ دُنیا کی ہدایت کا منصب خدا کی بارگاہ سے پانے کے بعد آپؐ نے سب سے پہلے ان لوگوں کو ہدایت کی، جن کے ساتھ گہرا تعلق تھا۔

(۱) عورتوں میں سے یہ پیغام آپؐ نے سب سے پہلے رفیق و غمخوار بیوی حضرت خدیجہؓ کو پہنچایا۔ وہ سُنتے ہی مسلمان ہو گئیں۔

(۲) نوعمروں میں سے حضرت علیؓ ابن ابی طالب سب سے پہلے اسلام لائے۔ ان کی عمر صرف آٹھ برس کی تھی۔ ابو طالب کا کنبہ بڑا تھا اور مالی حالت اچھی نہ تھی۔ رسولِ پاکؐ حضرت علیؓ کو اپنے پاس لے آئے تھے۔ آپؐ ہی کے گھر میں حضرت علیؓ پلے تھے۔

(۳) غلاموں میں سے حضرت زیدؓ سب سے پہلے اسلام لائے۔ زیدؓ ایک شریف خاندان کے بچے تھے۔ کسی نے پکڑ کر انھیں غلام بنایا، اور بیچ ڈالا۔ حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے نے انھیں خریدا اور اپنی پھوپھی کی نذر کر دیا۔ رسولؐ پاک کو زیدؓ سے بڑی محبت تھی۔ جب زیدؓ کے باپ کو پتہ چلا تو رسولؐ پاک کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ میرے بچے کو آزاد کر دیجیے۔ آپؐ نے فرمایا کہ زیدؓ چاہے تو چلا جائے۔ زیدؓ نے انکار کر دیا اور کہا کہ میں تو آپؐ ہی کی خدمت میں رہوں گا۔ رسولؐ پاک نے نہ صرف اسے آزاد کیا، بلکہ اعلان فرما دیا کہ میں اسے اپنا بیٹا سمجھتا ہوں۔

(۴) آزاد مردوں میں سے پہلے مسلمان حضرت ابو بکرؓ تھے۔ جو مکّے کے دولت مند تاجر اور بڑے اثر والے آدمی تھے۔ رسولؐ پاک سے انھیں شروع ہی سے بے حد محبّت تھی۔ اٹھنا بیٹھنا بھی

آپؐ ہی کے ساتھ تھا۔

اسلام پھیلنے لگا اس کے بعد چھپکے چھپکے اسلام پھیلنا گیا حضرت ابوبکرؓ کی ترغیب سے حضرت عثمانؓ، حضرت زبیرؓ بن العوام، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص اور حضرت طلحہؓ وغیرہ مسلمان ہوئے۔ ان کے علاوہ عمارؓ، خبابؓ بن الارت، ارقمؓ، سعیدؓ بن زید، عبداللہؓ بن مسعود، عثمانؓ بن مظعون، ابو عبیدہؓ بن الجراح اور صہیبؓ رومی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

تبلیغ کے طبعی درجے یہی تھے کہ سب سے پہلے یہ پیغام قریبی رشتہ داروں اور عزیز دوستوں کو پہنچایا جاتا۔ پھر قوم اور شہر کے لوگوں کو دعوت دی جاتی۔ اس کے بعد مکے کے آس پاس والوں کو سیدھے راستے پر لایا جاتا۔ آخر میں پورے عرب اور ساری دنیا کو دین حق کا سبق پڑھایا جاتا۔ رسولؐ پاک نے بھی اسی ترتیب کے مطابق تبلیغ کا فرض ادا کیا۔

کھلم کھلا تبلیغ تین برس تک چپکے چپکے تبلیغ کے بعد وقت آگیا۔ کہ اب خدا کے پیغام کو کھلم کھلا سنایا جائے۔ رسولؐ پاک ایک روز کوہ صفا پر چڑھ گئے، جو مسجد حرام کے پاس ایک چھوٹا سا ٹیلہ تھا۔ آواز دے کر لوگوں کو جمع کیا، پھر فرمایا: "اگر میں تم سے یہ کہوں کہ پہاڑ کے پیچھے ایک لشکر آرہا ہے تو تم کو یقین آئے گا؟" سب بولے کہ "بے شک، آپ کی ہر بات کا ہمیں یقین ہے، اس لیے کہ آپ بچپن ہی سے سچے اور ایمان دار ہیں، آپ کو ہم نے

ہمیشہ سچ بولتے دیکھا ہے "۔ یہ سُن کر آپؐ نے فرمایا، "تو میں کہتا ہوں کہ اگر ایمان نہ لاؤ گے تو تم پر بڑا ہی سخت عذاب نازل ہوگا"۔

چند روز بعد آپؐ نے اپنے خاندان والوں کو دعوت پر بُلایا۔ کم و بیش چالیس آدمی تھے۔ سب کھانا کھا چکے۔ تو آپؐ نے فرمایا: "میں وہ نعمت لے کر آیا ہوں جس میں دین اور دنیا دونوں کی بھلائی ہے۔ اس بھاری بوجھ کے اُٹھانے میں کون میرا ساتھ دے گا؟" حضرت علیؓ کے سوا کسی نے ہامی نہ بھری۔

اسلام کی راہ میں پہلا خون: جب مسلمان چالیس سے بھی زیادہ ہو گئے تو رسولِ پاکؐ نے کعبے میں جاکر خدا کے ایک ہونے کا اعلان کیا۔ قریش یہ دیکھ کر اتنے بگڑے کہ ہر طرف سے آپ پر ٹوٹ پڑے۔ آپؐ کے رشتہ داروں میں سے حارث بن ابی ہالہ کو یہ خبر ملی تو دوڑے ہوئے آئے۔ دیکھا تو تلواریں چل رہی تھیں۔ حارث آپؐ کو بچانے کی کوشش میں خود شہید ہو گئے۔ اسلام کی راہ میں یہ پہلا خونِ شہادت تھا جس سے زمین رنگین ہوئی +

گیارھواں باب

قریش کی عداوت اور اسلام کی ترقی

رسول پاک کی تعلیم | رسول پاکؐ کی تعلیم کے نمایاں پہلو یہ تھے:

(۱) خدا ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، ہر نقص اور عیب سے پاک ہے۔ زمین، آسمان، سورج، چاند، تارے اور ساری مخلوق اسی نے پیدا کی۔ وہی سب کو روزی دیتا ہے، وہی مارتا ہے۔ سب مرادیں اسی سے مانگو۔ اس کے حکم کے بغیر ایک پتہ بھی ہل نہیں سکتا۔

(۲) ہر وعدے کو پورا کرو۔ لین دین میں کسی سے دغا نہ کرو۔

(۳) جسم اور کپڑوں کو میل کچیل سے، زبان کو بری باتوں سے اور دل کو جھوٹے اعتقادوں سے پاک رکھو۔

(۴) جوا نہ کھیلو، بتوں کو نہ پوجو، نیکی کے کام کرو، برائیوں سے بچو۔

(۵) بیٹیوں کو نہ مارو۔ بدکاری سے بچو۔

مخالفت کے اسباب | بعض لوگوں نے قریش کی مخالفت کے کئی سبب گنائے ہیں، لیکن غور سے دیکھا جائے تو بڑے سبب صرف دو تھے: اسلام کی پاک تحریک ان رسموں، ریتوں اور عقیدوں کے بالکل خلاف تھی جن میں قریش پشتوں سے ڈوبے چلے آتے تھے۔ عام لوگوں کا طریقہ یہی ہے کہ جب اپنے عمل و عقیدہ کے خلاف کوئی

نئی بات سنتے ہیں تو اس کی اصلیت پر غور نہیں کرتے اور اندھا دھند مخالف بن جاتے ہیں۔ پھر وہ اپنے دل میں اس طریق پر غور کرتے ہیں کہ ہمارے باپ دادا بڑے عقلمند اور بزرگ تھے۔ ان سب نے یہ رسمیں قبول کیں۔ سب انھیں کرتے رہے۔ اگر یہ بُری ہوتیں تو وہ نہ روک دیتے؟ قرآن شریف میں بھی آیا ہے کہ قریش کہتے تھے' ہم نے اپنے باپ دادا کو یہی کرتے پایا۔

دوسرا بڑا سبب یہ تھا کہ قریش بڑے خود پسند اور مغرور تھے۔ بداخلاقیوں کی بُرائیاں سنتے تو ان کے دلوں میں جوش پیدا ہوتا۔ اور برائیوں کو چھوڑتے ہوئے گھبراتے غصے میں وہ اسلام کی پاک تحریک کے دشمن بن گئے۔

ممکن ہے بعض لوگوں کو یہ خیال بھی ہو کہ اگر رسولِ پاک کی تعلیم کو مان لیا تو سرداری اور بزرگی کا منصب رسولؐ پاک کو مل جائے گا اور ہماری معتبری چھن جائے گی۔

ابوطالب کے پاس وفد لیکن قریش کو یہ حوصلہ نہ تھا کہ رسولؐ پاک پر ہاتھ ڈالیں۔ اس کا سبب یہ تھا کہ بنوہاشم سے ڈرتے تھے۔ انھیں خوف تھا کہ اگر معاذاللہ رسولؐ پاک کو کوئی صدمہ پہنچا تو ہاشمی خاندان بدلہ لیے بغیر نہ رہے گا اس وجہ سے ایک مرتبہ وفد بناکر حضرت ابوطالب کے پاس پہنچے، اور کہنے لگے: آپ کا بھتیجا ہمارے دیوتاؤں کی برائی کرتا ہے۔ یہ چیز برداشت نہیں ہوسکتی۔ اسے سمجھائیے یا خود بیچ میں سے ہٹ جائیے ہم خود اس سے نبٹ لیں گے۔ حضرت ابوطالب گھبرا گئے اور رسولؐ پاک سے کہا: "پیارے بھتیجے! اپنے

اُوپر اور میرے اُوپر رحم کر۔ مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈال کہ اُسے اُٹھا نہ سکوں"۔
رسولؐ پاک نے جب یہ دیکھا کہ خاندان کا بزرگ بھی ڈانواں ڈول ہے تو آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور فرمایا: "چچا جان! قریش اگر میرے داہنے ہاتھ پر سورج اور بائیں پر چاند لا کر رکھ دیں اور کہیں کہ میں دین کی تبلیغ چھوڑ دوں، تو خدا کی قسم، نہیں چھوڑوں گا یہاں تک کہ خدا اس کام کو پورا کر دے یا میری جان اس راہ میں قربان ہو جائے"۔
حضرت ابو طالب نے یہ عزم دیکھا تو کہا: "جاؤ، شوق سے اپنا کام جاری رکھو۔ میرے ہوتے ہوئے کوئی شخص تمھارا بال بیکا نہیں کر سکتا"۔

دنیاوی لالچ

قریش کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی تھی کہ آخر رسولِؐ پاک کیوں دُکھ اُٹھا رہے ہیں؟ کیوں اپنی جان خطرے میں ڈال رہے ہیں؟ اپنے تصوّر کے مطابق سمجھے بیٹھے تھے کہ ہو نہ ہو آپؐ کو دنیاوی چیزوں کا لالچ اس راہ سے ہٹا سکے گا۔ چنانچہ ایک بڑے سردار کو قریش نے آپؐ کے پاس بھیجا۔ اس نے آکر پوچھا: "محمدؐ کیا چاہتے ہو؟ مکے کی ریاست؟ کسی اونچے گھرانے میں شادی؟ بہت بڑی دولت؟ ہم ان تمام چیزوں کا بندوبست کر سکتے ہیں، لیکن جو کچھ کہتے ہو وہ نہ کہو"۔ آپؐ نے سب کچھ سُن کر جواب میں قرآن شریف کی چند آیتیں سُنائیں۔ وہ سردار دم بخود رہ گیا۔ اس نے جا کر قریش سے کہا: "محمدؐ جو کچھ سناتے ہیں، شاعری نہیں، کوئی اور چیز ہے۔ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ اگر وہ سب پر غالب آجائیں گے تو یہ قریش کی عزّت ہوگی، ورنہ عرب خود اُن کو فنا کر دیں گے"۔

حضرت حمزہ کا اسلام

حضرت حمزہؓ رسولؐ پاک کے چچا تھے اور

آپؐ سے بہت محبت کرتے تھے۔ وہ روزانہ صبح تیر کمان لے کر باہر نکل جاتے اور دن بھر شکار کھیلتے رہتے۔

رسولؐ پاک کے مخالفوں میں دو آدمی بہت پیش پیش تھے: ایک آپ کا چچا ابولہب، دوسرا ابوجہل۔ ایک روز ابوجہل نے آپؐ کو بہت بُرا بھلا کہا۔ پھر ایک پتھر اُٹھا کر سر مبارک پر مارا۔ لیکن آپؐ اس کی ہر زیادتی کے مقابلے میں حلیمی اور بردباری سے کام لیتے رہے اور جواب میں اُنگلی تک نہ اُٹھائی۔ ایک کنیز یہ سب کچھ دیکھتی رہی۔ حضرت حمزہؓ شکار سے لوٹے تو کنیز نے پورا واقعہ انھیں سُنا دیا۔ حضرت حمزہؓ کو اتنا غصّہ آیا کہ راستے ہی سے پلٹے اور مسجد میں چلے گئے جہاں ابوجہل بیٹھا تھا اور جاتے ہی کمان اس زور سے اس کے سر پر ماری کہ وہ زخمی ہوگیا۔ ساتھ ہی کہا: "میں نے بھی محمدؐ کا دین قبول کر لیا۔ جاؤ تم سے جو کچھ ہو سکتا ہے، کرو۔"

ابوجہل حضرت حمزہؓ کو غصّے میں دیکھ کر دب گیا اور کہنے لگا کہ سچ مچ مجھ سے زیادتی ہوئی۔ حضرت حمزہؓ نے جا کر یہ سارا واقعہ رسولؐ پاک کو سُنایا اور سمجھے کہ آپؐ بدلہ لینے پر بہت خوش ہوں گے۔ آپؐ نے فرمایا: "بدلہ لینے کی کیا خوشی؟ چچا جان! آپؐ مسلمان ہو جائیں تو مجھے بڑی خوشی ہو۔" حضرت حمزہؓ یہ سنتے ہی مسلمان ہو گئے۔

حضرت عمرؓ کا اسلام

مخالفوں میں حضرت عمرؓ بھی بہت پیش پیش تھے۔ ایک روز تلوار لے کر اس ارادے سے نکلے کہ معاذاللہ، رسولؐ پاک کو ختم کر دیں۔ راستے میں معلوم ہوا کہ ان کی بہن اور بہنوئی بھی مسلمان ہو چکے ہیں۔ پلٹ کر بہن

کے گھر پہنچے اور جاتے ہی بہنوئی سے گتھم گتھا ہوگئے۔ بہن اپنے شوہر کو بچانے کی کوشش میں زخمی ہوگئی۔ اور جوش کی حالت میں بولی: عمرؓ! جو چاہو کرو، اب اسلام ہمارے دل سے نکل نہیں سکتا۔" یہ سنا تو حضرت عمرؓ کے دل پر ایک چوٹ سی لگی۔ رک گئے اور بولے: اچھا، جو کچھ تم پڑھتے ہو مجھے بھی سناؤ۔" چند آیتیں سنیں تو کلمہ شہادت پڑھا۔ پھر رسولؐ پاک کی بارگاہ میں حاضر ہوکر باقاعدہ مسلمان ہوگئے۔ حضرت عمرؓ کے مسلمان ہونے پر اس زور سے نعرۂ تکبیر لگا کہ مکّے کی پہاڑیاں گونج اٹھیں۔

قریش کے ظلم | اسلام روز بہ روز ترقی کر رہا تھا، لیکن قریش کے ظلم بھی لحظہ بہ لحظہ بڑھ رہے تھے۔ اسلام لانے والوں میں غریب اور غلام بھی تھے۔ ان پر قریش نے ستم کے پہاڑ توڑنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ صرف چند واقعات ہم یہاں پیش کرتے ہیں:

(۱) خبّاب بن الارت لوہار کا کام کرتے تھے۔ اسلام لائے تو قریش نے ایک دن کوئلے دہکا کر زمین پر بچھائے، پھر خبابؓ کو پکڑ کر ان پر چت لٹا دیا۔ ایک شخص چھاتی پر پاؤں رکھ کر کھڑا رہا تاکہ ہلنے نہ پائیں۔ پیٹھ کی کھال ادھڑ گئی، لیکن انھوں نے یہ مصیبت صبر سے برداشت کر لی ان کی رقم لوگوں کے ذمے تھی وہ بھی قریش نے دبوادی۔ کہتے تھے: محمدؐ کا انکار کروگے تو ملے گی۔ خبابؓ نے فرمایا: تم مر کر دوبارہ بھی زندہ ہو جاؤ تو اسلام اور رسولؐ پاک کو نہیں چھوڑوں گا۔

(۲) بلالؓ امیہ بن خلف کے غلام تھے۔ دوپہر ہوتی تو امیہ بلالؓ کو جلتی

ریت پر لٹاتا اور بھاری پتھر سینے پر رکھ دیتا۔ ایک مرتبہ رسّی گلے میں باندھ کر لونڈوں کے حوالے کر دیا کہ انھیں جہاں چاہو گھسیٹتے پھرو۔ بلال کی زبان پر صرف ایک کلمہ تھا کہ خدا ایک ہے حضرت ابوبکرؓ نے انھیں خرید کر آزاد کیا۔ اس طرح وہ عذاب سے چھوٹے۔

(۳) عمّار، ان کے والد یاسرؓ اور والدہ سمیہؓ تینوں مسلمان ہو گئے۔ ان پر بھی خوفناک ظلم ہوئے۔ سمیہؓ کو ابوجہل نے برچھی مار کر شہید کر دیا۔ یاسرؓ بھی تکلیفیں اٹھا اٹھا کر فوت ہو گئے۔ رسولؐ پاک ان مصیبتوں کو دیکھتے تو فرماتے: یاسرؓ کے گھرانے والو صبر کرو اور اپنے لیے جنّت میں گھر بناؤ۔

(۴) صہیبؓ رومی مسلمان ہوئے تو قریش انھیں اتنی اذیتیں دیتے کہ ان کے ہوش و حواس بجا نہ رہتے۔ ہجرت کے وقت مدینے شریف جانے کے لیے نکلے تو قریش نے ان کا سارا مال روک لیا۔ خدا اور رسولؐ پاک کے اس سچّے فداکار نے مال کو ٹھکرا دیا، اور خالی ہاتھ مدینے چلے گئے۔

(۵) حضرت عثمانؓ جب مسلمان ہوئے تو ان کے چچا نے پکڑ کر ایک اندھیری کوٹھری میں بند کر دیا پھر رسّی سے باندھ کر مارا۔ آخر خود ہار مان کر چپ ہو گیا۔

(۶) حضرت زبیرؓ کو ان کے چچا نے چٹائی میں لپیٹا اور ناک میں دھواں دیا۔ مگر کوئی تکلیف زبیرؓ کو راہِ حق سے نہ ہٹا سکی +

بارھواں باب

ہجرت حبشہ اور محصوری

ہجرت حبشہ | جب قریش کے ظلم حد سے بڑھ گئے تو رسول پاک نے ساتھیوں کو اجازت دے دی کہ جو لوگ مکے سے باہر جا سکیں، چلے جائیں۔ باہر جانے کے لیے حبشہ کے سوا کوئی موزوں جگہ نہ تھی اس لیے کہ حبشہ کے ساتھ عربوں کے تجارتی تعلقات تھے، وہاں کے لوگوں میں رواداری تھی اور مشہور تھا کہ حبشہ کا بادشاہ عادل ہے۔ جو مسلمان پہلے پہل وہاں گئے ان میں سے مندرجہ ذیل خاص طور پر قابل ذکر ہیں:

(۱) حضرت عثمانؓ اپنی اہلیہ حضرت رقیہؓ (بنت رسولؐ پاک) سمیت۔

(۲) ابو سلمہؓ اپنی اہلیہ ام سلمہ سمیت۔ یہ وہی ام سلمہؓ ہیں جو ابو سلمہؓ کی وفات کے بعد ام المومنین بنیں

(۳) زبیرؓ بن العوام (رسولؐ پاک کی پھوپھی کے صاحبزادے)

(۴) عبدالرحمٰنؓ بن عوف۔

(۵) عثمانؓ بن مظعون۔

(۶) مصعبؓ بن عمیرؓ۔

(۷) عبداللہؓ ابن مسعود۔

(۸) جعفرؓ بن ابی طالب (حضرت علیؓ کے بھائی)

اس ہجرت کے سلسلے میں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ مسلمان حبشہ پہنچ گئے تو افواہ اُڑی کہ قریش نے اسلام قبول کرلیا ہے اور مکے شریف میں امن قائم ہوگیا ہے، اس لیے مسلمان واپس آ گئے۔ جب معلوم ہُوا کہ افواہ غلط ہے، تو بعض چھپ کر مکے شریف چلے آئے۔ اکثر پھر چلے گئے۔ اسی بنا پر کتابوں میں حبشہ کی طرف دو مرتبہ ہجرت کا ذکر آیا ہے۔

قریش کا جوشِ انتقام قریش کو بھی بدلے کے جوش نے اندھا کر رکھا تھا۔ انھیں خیال ہُوا کہ ممکن ہے مسلمان حبشہ میں امن چین سے رہنے کا اچھا بندوبست کرلیں، پھر ہمیں نقصان پہنچائیں، اس لیے قریشی سرداروں نے صلاح مشورہ کے بعد دو آدمیوں کو نمایندے بنا کر حبشہ بھیج دیا کہ شاہ حبشہ سے کہہ کر مسلمانوں کو نکلوا دیں۔ عرب میں چمڑے کی بڑی اچھی چیزیں بنتی تھیں۔ قریش نے شاہ حبشہ اور اس کے درباریوں کے لیے بڑے نفیس تحفے بنوا کر ان نمایندوں کے ساتھ کر دیے۔ انھوں نے حبشہ پہنچ کر درباریوں کو ہموار کیا، پھر بادشاہ کے پاس پہنچے اور درخواست کی کہ ہمارے ہاں ایک نیا دین نکلا ہے۔ ہم نے اس دین کے پیرووں کو نکال دیا تھا، وہ آپ کے ملک میں بھاگ آئے ہیں۔ ان مجرموں کو ہمارے حوالے کر دیا جائے۔

حضرت جعفرؓ کی تقریر نجاشی بادشاہ حبشہ نے مسلمانوں کو بلا کر پوچھا کہ اصل بات کیا ہے؟ مسلمانوں کی طرف سے حضرت جعفرؓ ابن ابی طالب نے ایک تقریر فرمائی جس کا خلاصہ یہ ہے:

اے بادشاہ! ہم لوگ جاہل تھے۔ بتوں کو پوجتے تھے، مردار کھاتے

تھے، بدکاریاں کرتے تھے، ہمسایوں کو ستاتے تھے۔ خدا نے ہماری قوم میں ایک شخص کو کھڑا کیا، جس کی پاکیزہ زندگی، نسبی شرافت، سچائی اور ایمانداری کو دوست دشمن سب مانتے تھے۔ اس نے ہمیں سمجھایا کہ بتوں کو پوجنا چھوڑ دو، سچ بولو، خون نہ بہاؤ، یتیموں کا مال نہ کھاؤ، پڑوسیوں کو آرام پہنچاؤ۔ ایک خدا کے سوا کسی کے آگے نہ جھکو، نماز پڑھو، روزے رکھو، زکوٰۃ دو۔

ہم نے برائیوں سے توبہ کی، اس شخص کو اپنا پیشوا مان لیا۔ اس پر قوم ہماری دشمن بن گئی اور چاہتی ہے کہ ہمیں پھر گمراہی کے اسی گڑھے میں گرا دے، جس سے نکل چکے ہیں۔

نجاشی نے یہ سن کر کہا کہ جو کلام تمہارے پیغمبر پر اترا ہے، مجھے بھی سناؤ۔ حضرت جعفرؓ نے سورۂ مریم کی چند آیتیں سنائیں، نجاشی کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ بولا: "یہ واقعی پاک کلام ہے۔" قریش کے نمائندوں سے کہا کہ تم واپس جاؤ، میں ان مظلوموں کو تمہارے حوالے نہ کروں گا۔

حضرت عیسٰی علیہ السلام | قریش کے نمائندوں نے جب دیکھا کہ ان کی تدبیر الٹی پڑی تو نجاشی سے کہا معلوم کیجیے کہ حضرت عیسٰیؑ کے بارے میں ان کا عقیدہ کیا ہے؟ چنانچہ مسلمان دوبارہ بلائے گئے۔ عام عیسائی حضرت عیسٰیؑ کو "خدا کا بیٹا" سمجھتے تھے۔ حضرت جعفرؓ نے صاف صاف نجاشی سے کہہ دیا کہ ہمارے پیشوا نے ہمیں بتایا ہے کہ "حضرت عیسٰیؑ خدا کے بندے، پیغمبر اور کلمۃ اللہ ہیں۔" نجاشی نے کہا کہ "خدا کی قسم حضرت عیسٰیؑ ایک تنکے کے برابر بھی اس سے

زیادہ یا کم نہیں ہیں " بعض پادری اس پر بگڑ گئے، لیکن نجاشی نے
کسی کے بگڑنے کی پروا نہ کی اور قریش کے نمائندوں کو نامراد لوٹا دیا۔

شعب ابوطالب میں محصوری حبشہ میں مسلمانوں کو اطمینان سے رہنے
کا موقع مل گیا، لیکن مکے میں قریش کے ظلم بدستور جاری رہے
بلکہ بڑھتے گئے۔ وہ کبھی رسولِ پاک پر مٹی پھینکتے، کبھی اُونٹ
کی غلیظ اوجھڑی ڈال دیتے۔ کبھی راستے میں کانٹے بچھاتے۔ آخر
انھوں نے مل کر ایک عہد نامہ لکھا کہ ہاشمی خاندان کے لوگ جب
تک محمدؐ کو حوالے نہ کریں، نہ کوئی شخص ان کے ساتھ لین دین رکھے،
نہ ملے جلے، نہ کھانے پینے کی چیزیں ان تک پہنچنے دے۔

حضرت ابوطالب مجبوراً اپنے خاندان والوں کو لے کر ایک گھاٹی میں
جا بیٹھے، جسے " شعب ابوطالب " کہتے تھے اور ڈھائی تین برس
محصوری میں گزار دیے۔ اس محصوری اور مظلومیت میں جو شریک تھے
اُن سب نے ایسی تکلیفیں اُٹھائیں کہ ان کا ذکر پڑھ کر دل کانپ
اٹھتا ہے۔ وہ درختوں کے پتے کھاتے رہے۔ حضرت سعدؓ ابن
وقاص کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ بھوک سے
بے حال تھے، کسی نرم چیز پر پاؤں پڑا، اسے اُٹھا کر دیکھے بغیر
منہ میں ڈال لیا۔ ایک دفعہ سوکھا چمڑا ملا۔ حضرت سعدؓ نے اسے دھویا،
پھر آگ پر بھونا اور پانی میں ملا کر کھا لیا۔ بچے بھوک کے مارے بلک
بلک کر روتے تھے اور ان کی آواز گھاٹی سے باہر پہنچتی تھی، تو
دردمندوں کے کلیجے پھٹتے تھے، لیکن عہد نامہ ہو چکا تھا: اس
لیے کوئی بولتا نہ تھا۔

آخر چند نیک دل آدمیوں کو رحم آیا۔ انھوں نے عہد نامہ کو پھاڑا تو خاندان ہاشم کو مصیبت سے نجات ملی۔ خدا کی محبت اور خلق خدا کی خدمت کا راستہ آسان نہیں۔ انھیں کٹھن امتحانوں کی گود میں وہ پاک نفس لوگ تیار ہوئے جن کے ہاتھوں اسلام کا پھریرا مشرق و غرب میں اڑا اور کلمہ توحید چار کوٹ میں گونجا۔

رنج وغم کا سال محصوری سے باہر نکلے تو نبوت کا دسواں سال تھا۔ اسی سال حضرت ابوطالب نے وفات پائی۔ قریش کے مقابلے میں وہ رسولِ پاک کی حمایت کا سب سے بڑا سہارا تھے۔ انھوں نے محصوری میں سخت تکلیفیں اٹھائیں۔ لیکن رسولؐ پاک کا ساتھ نہ چھوڑا۔ چند روز بعد رسولؐ پاک کی بی بی ام المومنین حضرت خدیجہؓ کا بھی انتقال ہوگیا۔ یہ دوسرا بڑا صدمہ تھا۔ خود رسولِ پاک ان دو بڑے صدموں کے باعث نبوت کے دسویں سال کو "رنج وغم کا سال" (عام الحزن) فرمایا کرتے تھے۔

تیرھواں باب

طائف کا سفر

طائف کا سفر مکّے والوں کی سنگ دلی اور دشمنی بڑھتی گئی رسولؐ پاک آس پاس کے قبیلوں میں جاکر اسلام کا پیغام سُنانے لگے۔ حج کے موقع پر جب لوگ آتے تو انھیں نیکی کا سبق پڑھاتے۔ بازاروں اور میلوں میں زیادہ لوگ جمع ہو جاتے تھے آپؐ تبلیغ کے لیے ان مقامات پر بھی پہنچ جاتے۔

آخر سوچا کہ نیکی میں پیش قدمی اگر مکّے والوں کی قسمت میں نہیں تو کیوں نہ طائف والوں کو پیغام حق سنایا جائے۔ طائف حجاز کا دوسرا بڑا شہر تھا۔ چنانچہ آپ اپنے آزاد کیے ہوئے غلام زیدؓ بن حارثہ کو ساتھ لے کر طائف تشریف لے گئے۔

رئیسوں کی بدنصیبی طائف میں تین بھائی بڑے رئیس مانے جاتے تھے: عبدیالیل، مسعود اور حبیب۔ رسولِ پاک ان تینوں کے پاس باری باری گئے، لیکن تینوں نے اپنی بدنصیبی سے خدا کے پیغام کو ٹھکرا دیا۔ اور بڑے گستاخانہ جواب دیے۔ ایک بولا: اگر تجھے خدا نے رسول بنایا ہو تو میں اپنی ڈاڑھی کعبے کے سامنے مُنڈا دوں۔"
دوسرا بولا: "کیا خدا کو تیرے سوا کوئی بھی رسول بنانے کے لیے نہ ملا، جس کے پاس سواری بھی نہیں؟ اگر اسے رسول بنانا تھا تو کسی

حاکم یا سردار کو بنایا ہوتا۔" تیسرا بولا: "میں تیرے ساتھ بات نہیں کرنا چاہتا، اس لیے کہ اگر تو خدا کا رسولؐ ہے تو تیری بات کو رد کرنا بہت خطرناک ہے۔ اگر تو جھوٹا ہے تو بات کرنے کے لائق نہیں۔"

رسولِ پاکؐ نے بڑی بردباری سے یہ جوابات سُنے، پھر فرمایا: اگر تمھارے یہی خیالات ہیں تو میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ انھیں اپنے پاس رکھو اور دوسروں کی گمراہی کا سبب نہ بنو۔ ان بدبختوں نے یہ بات بھی نہ مانی۔

اہلِ طائف کی سنگ دلی رسولِ پاکؐ نے وعظ کہنا شروع کیا تو تینوں رئیسوں نے اپنے غلاموں، اوباشوں اور لڑکوں کو اکسا دیا وہ آپؐ پر پتھر پھینکنے لگے۔ اتنے پتھر پڑے کہ پیشانی مبارک کا لہو پائے مبارک تک پہنچ گیا۔ جب آپؐ مجبور ہو کر بیٹھ جاتے، تو بے درد بازوے پکڑ کر آپؐ کو کھڑا کر دیتے۔ چلتے تو پھر پتھروں کا مینہ برسانے لگتے۔ آخر آپؐ نے ایک باغ کے احاطے میں پناہ لی۔

باغ کے مالکوں نے آپؐ کو دیکھا تو ترس کھا کر اپنے غلام سے کہا کہ اس شخص کو انگور دے آؤ۔ وہ انگور لایا تو آپؐ نے "بسم اللہ" پڑھ کر انگور کھانے شروع کیے۔

غلام کی نیک بختی غلام نے "بسم اللہ" آپ کی زبان سے سُنی تو حیران ہوا اور بولا: یہاں کے لوگ ایسے کلام سے بالکل ناواقف ہیں۔ آپؐ نے پوچھا: کہاں کے رہنے والے ہو؟ وہ بولا نینوے کا۔" آپ نے فرمایا: تم خدا کے نیک بندے یونسؑ کے شہر کے ہو۔ وہ میرا بھائی تھا۔ وہ بھی نبی تھا، میں بھی نبی ہوں۔" غلام نے یہ سُنا تو آپؐ

کے سر، ہاتھوں اور پاؤں کو بوسہ دیا۔

رسول پاک کی دُعا خدا کی راہ میں یہ تکلیفیں اور مصیبتیں اُٹھانے کے بعد آپؐ نے وضو کیا، نماز پڑھی، پھر یہ دعا فرمائی :

اے میرے خدا! میں اپنی کمزوری، بے سرو سامانی اور لوگوں کی تحقیر کی بابت صرف تیرے سامنے فریاد کرتا ہوں۔ تو سب رحیموں سے بڑھ کر رحیم ہے۔ تو ہی کمزوروں اور عاجزوں کا مالک ہے۔ تو ہی میرا مالک ہے۔ اگر تو مجھ سے ناخوش نہیں تو مجھے تکلیفوں کی کچھ پروا نہیں۔ تیری عافیت میرے لیے بہت وسیع ہے۔ میں تیرے اس نور کی پناہ میں آتا ہوں جس کے آگے سارے اندھیرے کافور ہو جاتے ہیں، دنیا اور آخرت کے سب کام سنور جاتے ہیں۔ مجھے تیری ہی رضامندی اور خوشنودی درکار ہے۔ نیکی کرنے اور بدی سے بچنے کی قوت مجھے تیری ہی طرف سے ملتی ہے۔

جب سے دنیا پیدا ہوئی۔ خدا کے ساتھ سچی محبت کی ایسی پاک اور رُوح و قلب کو روشن کر دینے والی مثالیں رسولؐ پاک کی ذات بابرکات کے سوا سورج اور چاند کی آنکھوں نے کبھی نہیں دیکھیں

خلق خدا پر شفقت جنگ احد میں مسلمانوں کو بڑی پریشانیاں اُٹھانی پڑی تھیں۔ خود رسولؐ پاک زخمی ہو گئے تھے۔ حضرت عائشہؓ نے پوچھا کہ آیا آپؐ پر اس سے بھی زیادہ سخت زمانہ گزرا ہے ؟ فرمایا : " عائشہؓ! میں نے تیری قوم کے ہاتھوں بڑی سختیاں دیکھی ہیں۔ اس سلسلے میں طائف کی مصیبتوں کا ذکر فرماتے ہوئے کہا : " میرے پاس پہاڑوں کا فرشتہ آیا اور کہنے لگا : ارشاد ہو تو پہلو

کے دونوں پہاڑ ان لوگوں پر الٹا دوں اور انھیں پیس کر رکھ دوں۔
میں نے کہا۔ نہیں، نہیں، امید ہے خدا انھیں لوگوں کی پشت
سے ایسے آدمی پیدا کرے گا جو صرف ایک خدا کی عبادت کریں گے۔
یہ تھی شانِ رحمت، یہ تھی خلق خدا پر شفقت۔ صبر، ہمت اور
استقامت کے جتنے واقعات تاریخ عالم میں موجود ہیں، ان سب
پر ایک نظر ڈالو۔ ایسا ایک واقعہ بھی کہیں نہیں ملے گا۔ پیغام حق
دنیا کو پہنچانے کا یہ وہ بلند ترین مقام ہے جہاں کسی کا قدم نہ پہنچ سکا
اس وجہ سے طائف کا سفر رسولِ پاک کی سیرت میں بہت ہی
اہم ہے۔

آپؐ کا ارشاد | رسولِ پاکؐ کے صبر و ہمت کا نمونہ صحابہ
کے سامنے تھا۔ وہ بھی ہر تکلیف اور مصیبت کو استقلال کے ساتھ
جھیل رہے تھے۔ لیکن کبھی کبھی حرف شکایت بھی زبان پر آجاتا تھا۔
خبابؓ بن الارت کی تکلیفوں کا حال سُن چکے ہو۔ انھیں قریش نے
دہکتے ہوئے کوئلوں پر لٹایا تھا۔ پیٹھ کی کھال ادھڑ کر چربی نکل آئی تھی
ایک مرتبہ انھوں نے عرض کیا کہ حضورؐ قریش کے ظلم حد سے بڑھ گئے
ان کے لیے بد دعا کیوں نہیں فرماتے؟ یہ سُن کر رسولِ پاکؐ کا چہرہ
مبارک سرخ ہو گیا۔ فرمایا: "تم سے پہلے وہ لوگ گزر چکے ہیں،
جنھیں آروں سے چیر ڈالا گیا، تاہم وہ اپنے فرض سے نہ ہٹے۔ تم
جلدی کرتے ہو، خدا اس کام کو ضرور پورا کرے گا، یہاں تک کہ شتر سوار
صنعا (شام کا ایک مقام) سے حضر موت تک سفر کرے گا اور خدا کے
سوا اسے کسی کا ڈر نہ ہوگا۔"

طفیل دوسی کا اسلام | طفیل، دوس قبیلے کا سردار تھا۔ نواحِ یمن کے سرداروں میں سے گنا جاتا تھا۔ وہ خود شاعر اور دانشمند آدمی تھا۔ مکّے آیا تو قریش نے ایسی باتیں کہیں کہ وہ پہلے ہی رسولؐ پاک سے بدظن ہو جائے۔ اس کا اپنا بیان ہے کہ اہل مکّہ نے بتایا: محمدؐ سے بچے رہنا، اسے جادو آتا ہے۔ وہ باپ بیٹے اور بیوی شوہر اور بھائی بھائی میں جدائی پیدا کر دیتا ہے۔ مجھے اس قدر ڈرا دیا گیا کہ کعبے جاتا تو کانوں میں روئی ٹھونس لیتا۔ ایک دن صبح کو کعبے میں گیا۔ تو رسولؐ پاک نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ کی آواز میرے کان میں پہنچی۔ سُنا تو عجیب کلام پڑھ رہے تھے۔ مَیں نے اپنے آپ کو ملامت کی کہ دانا ہوں، اچھے بُرے کی تمیز رکھتا ہوں۔ کیا وجہ ہے کہ آپؐ کی بات نہ سنوں۔

غرض نماز کے بعد رسولؐ پاک گھر تشریف لے گئے۔ طفیل بھی پیچھے پیچھے گیا، اپنا حال سنایا، قرآن شریف سُنا اور وہیں مسلمان ہو گیا۔

حضرت عائشہؓ اور حضرت سودہؓ سے نکاح | حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد مکّے شریف میں رسولؐ پاک نے دو نکاح کیے، ایک حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی حضرت عائشہؓ سے۔ رسولؐ پاک نے جن بی بیوں سے نکاح کیے ان میں سے صرف حضرت عائشہؓ کنواری تھیں۔ دوسرا نکاح آپؐ نے حضرت سودہؓ سے کیا۔

معراج اور اسرا | اسی زمانے میں "اسرا" اور "معراج" کے واقعات پیش آئے۔ "اسرا" کا مطلب ہے، کعبے شریف سے قدس شریف تک سیر۔ قدس شریف میں تمام نبیوں کے امام بن کر نماز پڑھائی۔

"معراج" کا مطلب ہے آسمانوں کی سیر جس میں حضوری خاص کا قرب حاصل ہوا۔ ان واقعات کی کیفیت لفظوں میں بیان نہیں ہو سکتی صرف اتنا کہا جا سکتا ہے کہ یہ پاک اور بلند رتبے رسول پاک کے سوا کسی کو حاصل نہ ہوئے۔ معراج ہی میں پانچ نمازیں فرض ہوئیں۔

نبوّت کا پہلا دور اس مقام پر پہنچ کر نبوت کا پہلا دور ختم ہو جاتا ہے۔ اس میں اسلام پھیلتا رہا لیکن مسلمان باقاعدہ جماعت بن کر انتظامی معاملات کو اپنے ہاتھ میں نہ لے سکے اور اجتماعی زندگی کی برکات دنیا کو نہ دکھا سکے۔ مکّے اور طائف نے اس کارِ خیر میں پیش قدمی سے انکار کر دیا تو ضرورت پیش آئی کہ کسی دوسرے موزوں مقام کی تلاش کی جائے، جہاں مسلمان جمع ہو کر دنیا پر اس حقیقت کو روشن کر سکیں کہ اسلام خدا کے بندوں کے لیے کتنی بڑی رحمت ہے۔ اس سلسلے میں مکّہ شریف کو چھوڑ کر آپؐ مدینے شریف گئے اور نبوّت کا دوسرا دور شروع ہوا۔ خیر و برکت کے اس دور کی سرگزشت آئندہ ابواب میں آپ کے سامنے آئے گی۔

چودھواں باب
ہجرت کے مقدمات

مکے کی زندگی کا آخری دور مکے کی زندگی کے آخری دور میں رسولؐ پاک کی پریشانیاں بہت بڑھ گئی تھیں۔ قریش کے ظلم و ستم انتہا پر پہنچ چکے تھے۔ ان کی عداوت کی آگ بہت تیز ہو چکی تھی۔ اگرچہ اسلام کی دعوت برابر پھیلتی چلی جا رہی تھی اور جس شخص کا دل اس نور سے منور ہو جاتا تھا، وہ اپنا سب کچھ خدا اور اس کے رسولؐ پاک پر قربان کر دینا سب سے بڑی سعادت جانتا تھا، لیکن رکاوٹیں بھی بے حد اور شدید ہوتی جا رہی تھیں۔ رسولؐ پاک تو صبر اور حلم کا پہاڑ تھے، جس کے ساتھ مصیبتوں اور تکلیفوں کا ہر جھگڑا ٹکرا کر پیچھے ہٹ جاتا تھا، لیکن آپؐ کی شان رحم و لطف سے ساتھیوں کے دکھ دیکھے نہیں جاتے تھے۔ ہر لحظہ خدا کی رحمت پر نظر تھی کہ اس ذات پاک کی طرف سے کیا فرمان آتا ہے۔

ساتھیوں کی یہ حالت تھی کہ رات اور دن کی ایک ایک آن دکھوں اور مصیبتوں کے انگاروں پر لوٹ لوٹ اور تڑپ تڑپ کر گزارتے تھے، لیکن جب آپؐ کے چہرۂ انور پر نظر پڑتی تو ہر دکھ کو بھول جاتے۔

اہل یثرب سے ملاقات نبوت کا گیارھواں سال تھا۔ حج کا

موسم تھا۔ لوگ منٰے میں ٹھہرے ہوئے تھے، جو مکّے شریف سے تین میل پر ہے۔ وہاں ایک مقام پر، جسے عقبہ (گھاٹی) کہتے ہیں، یثرب کے چھ آدمی ڈیرا ڈالے پڑے تھے۔ رسولِ پاک رات کے اندھیرے میں پھر پھر کر لوگوں کو پیغامِ حق سنایا کرتے تھے۔ دن کے وقت وعظ و تبلیغ فرماتے تو قریش رکاوٹیں ڈالتے تھے۔ ایک رات پھرتے پھراتے اُن چھ آدمیوں کو دیکھا تو خدا کا کلام سُنایا۔ بتوں سے نفرت دلائی۔ گناہوں اور بُرائیوں سے منع کیا۔ نیکی اور پاکیزگی کی تعلیم دی۔

یثرب کے عرب بھی اگرچہ عام لوگوں کی طرح بت پرست تھے، لیکن اُنھوں نے اپنے پڑوسی یہودیوں سے سُن رکھا تھا کہ خدا کا پاک نبیؐ ظاہر ہونے والا ہے۔ رسولِ پاک کی زبان مبارک سے نیکی اور پاکیزگی کی تعلیم سُنی تو ان کے دل پر اتنا گہرا اثر ہوا کہ اسی وقت حضورؐ پر ایمان لے آئے، وطن واپس پہنچے تو اپنے لوگوں میں دینِ حق کی منادی شروع کر دی۔

عقبہ میں پہلی بیعت ان نیک بختوں کے ذریعہ سے یثرب کے گھر گھر میں رسولِ پاک کا ذکر ہونے لگا۔ نبوت کے بارھویں سال حج کے موقع پر بارہ آدمی یثرب سے مکّے آئے اور رسولِ پاک سے ایمان کی دولت حاصل کی۔ اس طرح جس پیغامِ حق کو مکّے کے سرداروں نے قدم قدم پر ٹھکرایا تھا، اس کے لیے یثرب میں پھولنے پھلنے کا سامان ہو گیا۔ جن باتوں پر رسولِ پاک نے ان بارہ مومنوں سے بیعت لی، یہ تھیں:

(۱) ہم صرف خدا کی عبادت کریں گے اور کسی کو اس کا شریک نہ گردانیں گے۔

(۲) چوری اور بدکاری سے بچے رہیں گے۔

(۳) اپنی لڑکیوں کو قتل نہیں کریں گے۔

(۴) کسی پر جھوٹی تہمت نہیں لگائیں گے۔

(۵) ہر ایک اچھی بات میں رسولؐ پاک کے فرمانبردار رہیں گے۔

اس بیعت کو عقبہ کی پہلی بیعت کہتے ہیں۔

حضرت مصعبؓ بن عمیر چلتے وقت ان مومنوں نے رسولؐ پاک سے درخواست کی کہ دین کی باتیں سکھانے کے لیے کسی کو ہمارے ساتھ کر دیجیے۔ رسولؐ پاک نے اس غرض کے لئے حضرت مصعبؓ بن عمیر کو چنا، جنھیں یثرب میں اسلام کا پہلا داعی ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

حضرت مصعبؓ قریش کے امیر گھرانے کے فرزند تھے۔ بے حد خوش رُو اور حسین جوان تھے۔ دو دو سو روپے کی پوشاک پہنتے۔ گھوڑے پر سوار ہو کر باہر نکلتے تو آگے پیچھے غلام چلا کرتے۔ جب خدا نے ان کا سینہ اسلام کے لیے کھولا تو سارے گھر والے دشمن بن گئے۔ یہاں تک کہ ماں نے بھی آنکھیں پھیریں۔ حضرت مصعبؓ نے راہ حق میں کسی مخالفت کی پروا نہ کی، امیری کے سارے ٹھاٹھ چھوڑ دیے اور خدا و رسولؐ کی محبت میں فقیری کا وہ پاک نمونہ پیش کیا جو رہتی دنیا تک دلوں میں عشق حق کی حرارت پیدا کرتا رہے گا۔ ایک برس یثرب میں گزار کر مکے واپس آئے تو بدن کو ڈھانپنے کے لیے کمبل

کا صرف ایک ٹکڑا تھا جسے ببول کے کانٹوں سے اٹکالیا تھا۔

اللہ اکبر! رسولؐ پاک کے سوا سچی فداکاری کے ایسے پاکیزہ نمونے کہاں مل سکتے ہیں؟ اس ترازو میں ہم لوگ اپنے ایمانوں کو رکھیں تو یقین ہے کہ ایمانوں کا دعوے زبان پر لاتے وقت سو مرتبہ تامل ہوگا۔

یثرب میں تبلیغ اسلام حضرت مصعبؓ یثرب پہنچے تو اسعدؓ بن زرارہ کے گھر اترے، جو عقبہ کی پہلی بیعت میں شریک تھے۔ سعدؓ بن معاذ اور اُسید بن حضیر دو قبیلوں کے سردار تھے۔ انھیں اسلام کی تبلیغ پر بڑا غصّہ آیا۔ دونوں نے فیصلہ کیا کہ حضرت مصعبؓ کو ڈانٹ بتائی جائے اور صاف صاف کہہ دیا جائے کہ ہمارے محلوں کا رخ کبھی نہ کرنا۔

پہلے اُسید نے یہ کام ذمے لیا۔ وہ حضرت مصعبؓ کے پاس پہنچے اور کھڑے کھڑے بُرا بھلا کہنے لگے۔ اسلام کے داعی نے بڑی نرمی اور بردباری سے کہا: آپ بیٹھ جائیے اور جو کچھ میں سُناتا ہوں، سُن لیجیے۔ پسند آئے تو قبول کر لیجیے، ورنہ چھوڑ جائیے۔ اُسید بیٹھ گئے۔ حضرت مصعبؓ نے قرآن شریف سُنایا۔ اُسید نے سُنتے ہی کہا: "بس اب یہ بتا دو کہ تمھارے دین میں داخل ہونے کے لیے کیا کچھ ضروری ہے؟" حضرت مصعبؓ نے کہا: غسل کرو۔ پھر پاک کپڑے پہنو۔ یہ ہو چکا تو حضرت مصعبؓ نے حضرت اسیدؓ کو کلمہ شہادت پڑھایا۔ بعد میں دو نفل پڑھا دیے۔ چلتے وقت اُسید نے کہا، میرے پیچھے ایک اور شخص آئے گا۔ اگر وہ تمھارا پیرو بن جائے گا تو پھر کوئی مخالف

نہیں رہے گا۔

اُسیدؓ گئے تو سعدؓ بن معاذ آئے انھوں نے بھی قرآن سُنتے ہی اسلام قبول کرلیا۔ واپس جاکر اپنی قوم کے لوگوں کو جمع کیا اور پوچھا: "میرے بارے میں تمھاری کیا رائے ہے؟" سب لوگ بولے: "آپ ہمارے سردار ہیں۔ آپ کی رائے بہتر اور اعلیٰ ہوتی ہے۔" سعد بولے: "پھر سُن لو کہ خواہ کوئی مرد ہو یا عورت جب تک خدا اور اس کے رسولؐ پاک پر ایمان نہ لائے، میں اس سے بات کرنا حرام سمجھتا ہوں۔" اس طرح ایک ہی دن میں ان کا پُورا قبیلہ مسلمان ہوگیا۔

عقبہ کی دوسری بیعت نبوّت کے تیرھویں برس یثرب سے تہتر آدمی مکے تشریف آئے۔ انھیں رسولؐ پاک پر مکے والوں کے ظلم وجور کا پورا حال معلوم ہوچکا تھا اور یہ فیصلہ کرکے آئے تھے کہ حضورؐ کو اپنے ساتھ یثرب لے جائیں گے۔ چنانچہ آتے ہی درخواست کی کہ حضورؐ یثرب میں تشریف لے چلیں۔ آپؐ نے صرف دو باتیں پوچھیں، ایک یہ کہ آیا دینِ حق کی اشاعت میں پوری پوری مدد کروگے؟ دوسری یہ کہ جب میں تم میں جابسوں گا تو آیا میری اور میرے ساتھیوں کی حمایت اپنے اہل و عیال کی طرح کروگے؟

رسولؐ پاک کے چچا حضرت عباسؓ اگرچہ اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے لیکن اس موقع پر آپؐ کے ساتھ تھے انھوں نے اہلِ یثرب سے کہا کہ جو اقرار کر رہے ہو اس کی حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لو۔ قریش محمدؐ کے جانی دشمن ہیں۔ آپؐ سے عہد و پیمان کرنا خونریز

اور خوفناک انجام والی لڑائیوں کو دعوت دینا ہے۔ مرتے وقت تک ساتھ دے سکو تو بہتر ورنہ ابھی جواب دے دو۔ اہل یثرب کی شانِ فداکاری ایسی بات کو کیوں کر برداشت کر سکتی تھی۔ ایک صاحب بے تاب ہو کر بول اُٹھے کہ "ہم تلواروں کے سایے میں پلے ہیں"۔ وہ ابھی اپنی بات ختم نہیں کرنے پائے تھے کہ ایک اور صاحب بولے: "یا رسولؐ اللہ! یہودیوں سے ہمارے تعلقات ہیں جو ٹوٹ جائیں گے۔ یہ تو فرما دیجیے کہ جب خدا آپ کو غلبہ عطا کرے گا، تو آپ ہمیں چھوڑ تو نہ دیں گے"؟ رسولؐ پاک نے فرمایا: نہیں، تمھارا خون، میرا خون، تم میرے ہو اور میں تمھارا ہوں، ایک روایت کے مطابق فرمایا: "میرا جینا اور میرا مرنا تمھارے ساتھ ہوگا"۔

یہ عقبہ کی دوسری بیعت تھی۔ رسولِ پاک نے تہتر آدمیوں میں سے خود ان کی رائے کے مطابق بارہ آدمیوں کو اپنے نقیب مقرر فرمایا۔ اس طرح یثرب کے دروازے مسلمانوں کے لیے کھل گئے۔ ان کو نئی جگہ میسّر آ گئی، جہاں اسلام کی تعلیم کو عملی شکل دے کر دکھایا جا سکتا تھا کہ یہ دُنیا کے لیے کس درجہ باعثِ رحمت ہے۔ وہی مقام نظامِ حکومت کی بنیاد رکھنے کے لیے موزوں تھا، اس لیے سب کی توجہ اُسی پر جم گئی +

پندرھواں باب

مکہ مکرمہ سے ہجرت

ہجرت | دنیا والوں کے نزدیک عزیزوں اور وطنوں سے بڑھ کر پیاری چیز کوئی نہیں، لیکن خدا کے جو پاک بندے اپنا سب کچھ مالکِ حقیقی کے حوالے کر دیتے ہیں۔ انھیں خدا کی محبت اور فرمانبرداری سے بڑھ کر کوئی شے پیاری نہیں رہتی۔ وہ گھربار کو بے تامل چھوڑ دیتے ہیں، عزیزوں اور رشتہ داروں سے منہ موڑ لیتے ہیں، دولت اور جایداد کی پروا نہیں کرتے، محبتوں اور دوستوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ لیکن خدا کی رضا، خدا کی فرمانبرداری اور خدا کی خوشنودی کا دامن کبھی نہیں چھوڑتے۔ یہاں تک کہ جانیں قربان کرنے کی بھی ضرورت آ پڑے تو اس طرح ہنسی خوشی تلوار کے نیچے گردن رکھ دیتے ہیں۔ کہ مرنا ان کے نزدیک جینے سے زیادہ عزیز و محبوب بن جاتا ہے۔ انسانیت کی پوری تاریخ کے سارے ورق دنیا کے سامنے کھلے پڑے ہیں۔ خوب دیکھو اور ڈھونڈو کہ آیا رسولؐ پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے پاک نفس ساتھیوں سے بڑھ کر خدا کے لیے ہر قسم کی قربانیاں کرنے والی جماعت کبھی آسمان نے دیکھی ہے؟ ان میں غریب ہی نہیں بڑے بڑے دولت مند بھی تھے، جن کے قدم ہوش سنبھالنے

کے وقت سے عیش و راحت کے پھولوں پر پڑتے رہے۔ غور کرو کہ اسلام قبول کرتے ہی ان پر کس طرح مصیبتوں اور آفتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ لیکن کیا ایک مثال بھی ایسی مل سکتی ہے کہ انھوں نے دکھوں اور غموں کو نہ جھیلا ہو یا دولت مندی کی کامرانیوں پر بھولے سے بھی نگاہ ڈالی ہو؟ یہ خدا کی محبّت اور اس کی رضا کے وہ کرشمے تھے جو صرف رسولؐ پاک کی بابرکت صحبت نے پیدا کیے۔ انھوں نے دولت بھی چھوڑی، عزّت بھی چھوڑی، وطن بھی چھوڑا، عزیزوں اور رشتہ داروں کو بھی چھوڑا اور جب جانیں دینے کی نوبت آئی تو ہنستے کھیلتے جانیں بھی دے دیں۔

صحابہ کی مشکلات رسولؐ پاک نے عقبہ کی دوسری بیعت کے بعد اپنے ساتھیوں کو یثرب جانے کی اجازت دے دی۔ اکّا دکّا لوگ جانے لگے۔ قریش کے کانوں میں جب یہ بھنک پڑی کہ اہل یثرب نے رسولؐ پاک اور آپؐ کے ساتھیوں کو پناہ دینے کا وعدہ کرلیا ہے تو بہت جوش میں آئے اور روک ٹوک کرنے لگے۔ مان لو کہ اسلام انھیں پسند نہ تھا، لیکن مسلمان مکّے سے جا رہے تھے تو اس پر بگڑنے کا کون سا موقع تھا؟ افسوس کہ قریشی سرداروں کے دل پتھر ہو چکے تھے۔ وہ حبشہ جانے والے مسلمانوں کے پیچھے دشمنی کی آگ لے کر حبشہ پہنچے، اب یثرب جانے والوں کو تنگ کرنے اور تکلیفیں دینے لگے۔ یہاں ہم صرف دو واقعات پیش کریں گے۔

(۱) حضرت صہیبؓ رومی جانے لگے تو قریش نے روک لیا بولے: جا رہے ہو تو جاؤ لیکن مال و زر چھوڑنا پڑے گا۔ صہیبؓ نے سب کچھ

چھوڑ دیا اور دامن جھاڑ کر چلے گئے۔

(۲) ابوسلمہؓ اپنی بیوی ام سلمہؓ اور شیر خوار بچے کو لے کر نکلے۔ پہلے ام سلمہؓ کے قبیلے والے آئے اور ابوسلمہؓ سے کہا: "تم جاتے ہو تو جاؤ۔ ہماری لڑکی کو ساتھ نہیں لے جا سکتے۔" چنانچہ ام سلمہؓ کو زبردستی روک لیا۔ پھر ابوسلمہؓ کے قبیلے والے آئے اور کہا: "خود جاتے ہو تو چلے جاؤ، بچہ ہمارا ہے، اسے نہیں لے جا سکتے۔" بچہ کہیں، بیوی کہیں، لیکن خدا کی رضا کے لیے سب کچھ قربان کر دینے والے ابوسلمہؓ نے سارے دکھ صبر کے ساتھ برداشت کر لیے اور تنہا چلے گئے۔

ام سلمہؓ ہر روز اس جگہ پہنچتیں جہاں شوہر اور بچے سے جدا ہوئی تھیں اور گھنٹوں رو دھو کر واپس چلی جاتیں۔ پورا ایک سال اسی حالت میں گزر گیا۔ پھر ایک شخص نے ترس کھا کر بچے کو بلایا اور دونوں کے لیے یثرب جانے کی اجازت دلائی۔ ذرا سوچو کہ خدا اور رسول کی محبت کا دامن پکڑ کر امتحان کی ان کٹھن منزلوں سے گزرنا کتنا مشکل تھا۔ ہر قدم دل و جگر کے خون میں پڑتا تھا، لیکن خدا کے پاک بندے ان منزلوں سے بھی صاف گزر گئے اور ان کی پیشانیِ ہمت پر ہلکی سی شکن بھی نہ پڑی۔

قریش کا فیصلہ آہستہ آہستہ سارے مسلمان نکل گئے۔ رسولِ پاک کے علاوہ بڑے بڑے صحابہ میں سے صرف حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ رہ گئے۔ اب قریش نے سوچا کہ معاذ اللہ، رسولِ پاک کو ختم کر دینے کا بڑا اچھا موقع نکل آیا ہے۔ چنانچہ جمع ہو کر کئی تجویزیں سوچیں۔ آخر

یہ رائے ٹھہری کہ ہر قبیلے میں سے ایک ایک آدمی چنا جائے۔ وہ سب تلواریں لے کر جائیں اور رسول پاکؐ کے مکان کو گھیر لیں صبح آپؐ نماز کے لیے باہر نکلیں تو ایک دم مل کر حملہ کر دیں۔ اس تجویز کا مطلب یہ تھا کہ کسی کو پتہ نہ لگ سکے کہ رسول پاکؐ کو خاص کس کی تلوار نے ختم کیا۔ عرب میں بدلے کا دستور تھا۔ ہر قبیلہ اپنے مقتول کا بدلہ قاتل کے قبیلے سے لینے کا حقدار سمجھا جاتا تھا۔ مل کر تلواریں چلانے کی حالت میں اصل قاتل کا پتہ نہیں مل سکتا تھا اور سب قبیلوں سے بیک وقت بدلہ لینے کا حوصلہ خاندان ہاشم کو نہیں ہو سکتا تھا۔

یہ تجویز ابو جہل نے پیش کی تھی جو رسول پاکؐ کا سخت دشمن تھا۔

صحابہ مدینے جا رہے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ نے جب اجازت مانگی تو آپؐ نے فرمایا: ابھی ٹھہر جاؤ۔ اصل میں حضرت ابو بکرؓ کے لیے آپؐ کے ہم رکاب چلنے کی سعادت روز ازل سے مقدر ہو چکی تھی۔

انسانوں کے لیے بہترین نمونہ آخر رسول پاکؐ کو بھی خدا کی بارگاہ سے ہجرت کی اجازت مل گئی۔ جس رات آپؐ نے گھر سے نکلنے کا ارادہ فرمایا اسی رات قریش کے چنے ہوئے لوگوں نے آپؐ کے گھر کو گھیر لیا تھا لیکن رسول پاکؐ رات کے پہلے حصّے ہی میں نکل گئے اور اپنے بستر پر حضرت علیؓ کو سلا گئے۔ اپنی چادر انھیں اڑھا دی۔ اس میں دو مصلحتیں تھیں ایک یہ کہ دشمنوں کو معلوم نہ ہو سکے کہ آپؐ چلے گئے اور وہ یہی سمجھتے رہیں کہ آپؐ سو رہے ہیں۔ اس سے بڑی مصلحت اور تھی۔ اگرچہ مکے کے سرداروں نے آپؐ کے خلاف دشمنی اور عداوت کی خونی ک

فضا پیدا کر رکھی تھی، پھر بھی عام لوگوں کو صرف آپؐ پر بھروسا تھا۔ اور وہ اپنی امانتیں آپؐ ہی کے پاس رکھتے تھے۔ رسولؐ پاک نے حضرت علیؓ کو اس غرض سے بھی پیچھے چھوڑا تھا کہ سب امانتیں مالکوں کو لوٹا دیں۔ ادھر یہ کیفیت کہ دشمنی آخری حد پہ پہنچ گئی تھی ادھر یہ حالت کہ بھروسا تھا تو صرف آپؐ پر۔ امانتیں رکھ سکتے تھے تو صرف آپؐ کے پاس۔ آپؐ کی امانت داری کا یہ عالم کہ جن لوگوں کی وجہ سے جان خطرے میں پڑی، گھر بار اور وطن کو چھوڑنے کے سوا چارہ نہ رہا، ان کی رکھی ہوئی امانتیں کوڑی کوڑی واپس فرمانا اولین فرض سمجھا اور اس غرض کے لیے نہایت قریبی رشتہ دار حضرت علیؓ کو پیچھے چھوڑا۔ رسولؐ پاک کی حیات مبارک کے ان یگانہ اور یکتا معجزوں کے سامنے کس کی گردن ادب کے ساتھ نہیں جھکے گی؟ یہی پاک سیرت تھی جو زمین کی پشت پر بسنے والے تمام انسانوں کے لیے نیک ترین اور پاک ترین نمونہ بن سکتی تھی۔ اسی لیے قرآن شریف میں خدا نے فرمایا کہ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ (یقیناً رسول خدا کی زندگی تمھارے لیے بہترین نمونہ ہے)

حضرت علی کی جانبازی اگرچہ رسولؐ پاک نے حضرت علیؓ سے فرما دیا تھا کہ اطمینان سے سو جاؤ اور کوئی تمھارا بال بھی بیکا نہیں کر سکے گا۔ لیکن سوچو کہ کتنا کٹھن فرض تھا، کتنی جانبازی کا کام تھا، جو شیرِ خدا کے ذمے لگا؟ تلواروں کے سایے میں اطمینان سے سونا اور اس یقین و اطمینان کے ساتھ سونا کہ رسولؐ خدا

کے فرمان کے مطابق بال بھی بیکا نہ ہوگا، قوت ایمان کا بڑا ہی سخت امتحان تھا۔ حضرت علیؓ اس طرح سوئے گویا کسی خطرے کا خفیف سا خیال تک بھی نہ تھا۔ صبح اٹھے اور دشمنوں نے آپ سے رسولؐ پاک کے متعلق پوچھا تو بڑے اطمینان سے فرمایا: مجھے سونپ کر گئے تھے کہ اب پوچھ رہے ہو؟

تین روز میں امانتوں کی ایک ایک چیز مالکوں کے حوالے کر کے حضرت علیؓ بھی مدینے روانہ ہو گئے۔

غارِ ثور میں قیام غرض رسولؐ پاک گھر سے نکلے تو سیدھے حضرت ابوبکرؓ کے مکان پر پہنچے، جو مکے کے جنوب میں مسفلہ[1] میں تھا اور حضرت ابوبکرؓ کو ساتھ لے کر راتوں رات کوہ ثور پر پہنچ گئے، جو مکے سے جنوب میں ہے۔

یہ پہاڑ خاصا اونچا ہے۔ اس کے اوپر ایک جگہ ہزاروں من کا پتھر دوسرے پتھروں پر اس طرح ٹک گیا ہے کہ بیچ میں ایک غار سا بن گیا ہے۔ اس کا منہ تنگ ہے۔ آدمی لیٹ کر اندر داخل ہو سکتا ہے۔ لیکن اندر سے خاصا کھلا ہے۔ منظور یہ تھا کہ جب تک مکے والے تعاقب میں سرگرم رہیں، اس وقت تک اس غار میں قیام کیا جائے چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے پہلے خود اندر جا کر غار کو صاف کیا۔ اس میں جتنے سوراخ تھے بند کیے۔ پھر رسولؐ پاک اندر پہنچے اور اپنے ساتھی کے زانو پر سر مبارک رکھ کر سو گئے۔

رسولؐ پاک نے ثور کو عارضی قیام کے لیے اس وجہ سے تجویز فرمایا

[1] سنہ ۱۹۲۱ء تک اس کا نشان باقی تھا۔ شاید اب بھی باقی ہو۔

کہ قریش تعاقب میں جو تگ و دو کرتے، وہ صرف یثرب جاتے والے راستوں یا آس پاس کی پہاڑیوں تک محدود ہو سکتی تھی اور یہ راستے شہر مکہ سے شمال اور مغرب کی جانب تھے۔ کوہ ثور کی طرف فوراً نکلنے کا خیال بھی نہیں ہو سکتا تھا، اس لیے کہ ثور مکے کے جنوب میں تھا اور یثرب جانے والا آدمی ثور کا راستہ اختیار نہیں کر سکتا تھا۔

سفر کے انتظامات حضرت ابوبکرؓ نے پہلے سے سفر کے لیے دو سانڈنیاں تیار کر رکھی تھیں۔ گھر سے نکلتے وقت تھوڑے سے ستو لے لیے تھے۔ اپنے ایک ملازم کو ہدایت کر دی تھی کہ روزانہ بکریاں چراتا ہوا ثور پر لے آیا کرے۔ اس طرح تازہ دودھ بھی روزانہ مل جاتا اور قریش کی سرگرمیوں کے متعلق خبریں بھی پہنچ جاتی تھیں۔ بھروسے کے ایک آدمی کو راستہ دکھانے کے لیے بھی تجویز کر لیا تھا۔ گویا سب انتظامات مکمل کر لیے تھے۔

حضرت ابوبکرؓ کی جان نثاری رسولؐ پاک سو گئے۔ حضرت ابوبکرؓ بیٹھے رہے۔ ان کی آنکھیں غار کے اندر کی ایک ایک چیز پر تھیں، کان باہر کی آہٹ پر لگے ہوئے تھے۔ یکایک دیکھا کہ ایک سوراخ بند ہونے سے رہ گیا ہے۔ اس میں سے سانپ نے سر نکالا۔ حضرت ابوبکرؓ نے بہت ہی آہستگی سے اپنی ایک ٹانگ پھیلائی تاکہ رسولؐ پاک کے آرام میں خلل نہ آئے اور اپنی ایڑی سوراخ پر رکھ دی۔ سانپ نے کاٹا، لیکن رسولؐ پاک کے اس جان نثار نے اُف تک نہ کی۔ زہر چڑھنے لگا۔ درد کی شدت سے آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اتفاق سے ایک آنسو

رسولؐ پاک کے مبارک چہرے پر گرا۔ آپؐ بیدار ہو گئے اور پوچھا، "ابوبکر کیا ہوا"؟ عرض کیا: "میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں، سانپ نے کاٹا۔" آپؐ نے زخم کی جگہ اپنا لعاب مبارک لگایا۔ زہر بھی اتر گیا اور درد بھی جاتا رہا۔

خدا ہمارے ساتھ ہے تین دن اور تین راتیں رسولؐ پاک اور حضرت ابوبکرؓ نے غار ثور میں بسر کیں۔ اس دوران میں ایک روز قریش تلاش کرتے کرتے کوہ ثور پر بھی پہنچ گئے۔ اس کا سبب غالباً یہ ہوا کہ قریش کو معلوم ہو گیا تھا کہ رسولؐ پاک حضرت ابوبکرؓ کو ساتھ لے کر گئے ہیں۔ اور حضرت ابوبکرؓ کا مکان مکے کے جنوبی حصے میں تھا۔ انھیں خیال ہوا ہو گا کہ شاید جنوبی سمت کے پہاڑوں میں چھپے ہوئے ہوں اور موقع پا کر وہاں سے چکر کاٹتے ہوئے یثرب کے راستے پر ہو لیں۔

قریش جب غار کے دہانے پر پہنچ گئے تو حضرت ابوبکرؓ گھبرا گئے۔ انھیں اپنا غم نہ تھا، صرف رسولِ پاکؐ کی وجہ سے پریشان تھے۔ اس موقع پر رسولؐ پاک نے حضرت ابوبکرؓ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا: لاتحزن، ان اللہ معنا (گھبراؤ نہیں، خدا ہمارے ساتھ ہے)

سولھواں باب

یثرب کا سفر

یثرب کا سفر تین دن اور تین راتیں غار ثور میں گزارنے کے بعد جب واضح ہوگیا کہ قریش ڈھونڈتے ڈھونڈتے تھک چکے ہیں اور ان کی سرگرمیوں پر اوس پڑ چکی ہے تو چوتھے دن رسولؐ پاک سفر کے لیے تیار ہو گئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے جو دو تیز رفتار سانڈنیاں پال رکھی تھیں، ان میں سے ایک رسولؐ پاک کی نذر کرنا چاہتے تھے لیکن رسولؐ پاک نے اس کی قیمت ادا فرمائی۔

غار سے نکل کر ایسا راستہ اختیار کیا، جس سے بہت کم لوگ آتے جاتے تھے۔ ایک دن رات برابر چلتے رہے۔ دوسرے دن دھوپ بہت تیز ہوگئی تو حضرت ابوبکرؓ نے ایک چٹان کے سایے میں اپنی چادر بچھا دی۔ رسولؐ پاک نے آرام فرمایا۔ حضرت ابوبکرؓ بکری کا دودھ لائے۔ تھوڑا سا پانی ملا کر آپؐ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپؐ نے نوش فرمایا، کچھ دیر آرام کیا۔ دوپہر ڈھل چکی تو پھر روانہ ہوئے۔

سُراقہ بن جعشم قریش نے اعلان کر دیا تھا کہ جو شخص رسولؐ پاک یا حضرت ابوبکرؓ کو گرفتار کر کے لائے گا اسے ایک سو اونٹ انعام میں دیے جائیں گے۔ ایک شخص سُراقہ بن جعشم اس بڑے انعام

کے لالچ میں راستوں پر چکّر لگا رہا تھا۔ اس نے رسولؐ پاک کے چھوٹے سے قافلے کو دیکھا تو پہچان گیا۔ گھوڑے پر سوار ہو کر پیچھا کیا۔ گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور گر پڑا۔ سُراقہ نے فال کے طور پر ترکش سے تیر نکالے۔ فال خلاف نکلی، لیکن انعام کا لالچ ایسا نہ تھا کہ فال پر قائم رہتا۔ دوبارہ آگے بڑھا۔ اب کے گھوڑے کے پاؤں گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئے۔ حرص چین نہیں لینے دیتی تھی لیکن ہمت پست ہو گئی۔ آخر رسولؐ پاک کی خدمت میں حاضر ہو کر قریش کے اعلان کی کہانی سنائی اور اپنے لیے امن کا پروانہ لے کر واپس چلا گیا۔ یہی سُراقہ ہے جسے رسولؐ پاک نے بشارت دی تھی کہ تیرے ہاتھوں میں شہنشاہ ایران کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں ایران فتح ہوا تو سُراقہ کو کنگن پہنائے گئے۔

راستہ راستے کی پوری کیفیت بتانا مشکل ہے، اس لیے کہ کتابوں میں کئی ایسے نام آئے ہیں، جن کا اب پتہ نہیں چلتا یا تو نام بدل گئے یا وہ مقامات ہی باقی نہ رہے۔ لیکن اتنا معلوم ہے۔ کہ رسولؐ پاک اس سفر میں رابغ سے بھی گزرے تھے، جو حجاز کی ایک مشہور بندرگاہ اور مدینے کے راستے کی ایک منزل ہے۔ رابغ میں آپؐ نے مغرب کی نماز ادا فرمائی تھی۔ وہاں سے یثرب کو کئی راستے جاتے تھے۔ رسولؐ پاک غالباً اس راستے سے گئے جسے بعد میں "طریق الفرع" کہنے لگے، اس لیے کہ راستے کا ایک مشہور مقام "فرع" تھا۔

یثرب میں انتظار مکے سے رسولِ پاک کے نکلنے کی خبر جلد یثرب پہنچ گئی تھی۔ زیارت کے مشتاق ہر روز صبح ہوتے ہی گھروں سے نکل کر باہر راستے پر آ بیٹھتے اور دوپہر تک انتظار کرتے رہتے۔ ہر شخص کی آرزو تھی کہ اس کی آنکھیں سب سے پہلے روے مبارک پر پڑیں۔ وہ لوگ سفر کی مدت کا اندازہ کر کے انتظار میں بیٹھنے لگے تھے۔ یہ معلوم نہ تھا کہ رسولؐ پاک کو تین دن اور تین راتیں مکے کے پاس ہی غارِ ثور میں گزارنی پڑیں۔

ایک دن مشتاقانِ زیارت انتظار کرتے کرتے مایوس ہو کر واپس جا چکے تھے کہ آپؐ کا مختصر سا قافلہ قریب پہنچا۔ ایک یہودی قلعے کی چھت پر کھڑا دُور ہی سے دیکھ کر پہچان گیا کہ اہلِ یثرب کو انھیں کا انتظار تھا۔ اس نے خبر دی۔ سب لوگ اللہ اکبر کے نعرے لگاتے ہوئے گھروں سے نکل پڑے اور آپؐ کا پُر جوش استقبال کیا۔ ان کے لیے اس سے بڑی سعادت کیا ہو سکتی تھی کہ آسمانی ہدایت کا سورج ان کے وطن کی فضا میں جلوہ ریز ہوا تھا۔

قبا میں قیام رسولؐ پاک نے یثرب سے تین میل پر قبا کی بستی میں قیام فرمایا اور چار روز وہیں گزارے۔ یہاں آپؐ نے ایک مسجد کی بنیاد رکھی، جو یثرب کی سرزمین میں پہلی مسجد تھی۔ یہ مسجد اب بھی موجود ہے۔ اور اس مقام کا نشان بھی موجود ہے، جہاں رسولِ پاک کی مبارک سواری ٹھہری تھی۔

چار روز کے بعد آپؐ نے اس مقام کا ارادہ فرمایا جس نے بعد میں مدینہ شریف کا مبارک نام پایا۔ اس مبارک مقام کی خاک

چودہ سو برس سے ہر مسلمان کی آنکھوں کا سُرمہ ہے۔ علامہ اقبالؒ کیا خوب فرما گئے ہیں:

وہ زمیں ہے تو مگر اے خواب گاہ مصطفےٰؐ
دید ہے کعبے کو تیری حج اکبر سے سوا
تجھ میں راحت اس شہنشاہؐ معظم کو ملی
جس کے دامن میں اماں اقوام عالم کو ملی
جب تلک باقی ہے تو دنیا میں باقی ہم بھی ہیں
صبح ہے تو اس چمن میں گوہر شبنم بھی ہیں

راستے میں آپؐ نے جمعہ کی نماز پڑھی۔ اسلام میں یہ پہلا جمعہ تھا۔

یثرب پہنچنے کی تاریخ یہ مسلّم ہے کہ آپؐ ۸۔ ربیع الاول (۲۰ ستمبر ۶۲۲ء) کو قبا پہنچے تھے۔ اور پیر کا دن تھا۔ ایک روایت ہے کہ آپؐ قبا میں چودہ روز ٹھہرے۔ لیکن یہ روایت اس وجہ سے محل تامل ہے کہ قبا سے آپ نے جمعہ کے دن اس مقام کا قصد فرمایا جو بعد میں مدینہ منوّرہ کے نام سے مشہور عالم ہوا۔ نماز جمعہ آپ نے راستے میں ادا فرمائی۔ چودہ دن قبا میں بسر فرمانے کی روایت اس صورت میں صحیح ہو سکتی ہے کہ قبا پہنچنے کی تاریخ ۸۔ ربیع الاول سے تین چار دن پہلے یا تین چار دن بعد رکھی جائے۔ بعض اصحاب نے لکھا ہے کہ ۸۔ ربیع الاوّل کو جمعرات کا دن تھا۔ جنتریوں سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی۔ صحیح یہی ہے کہ ۸۔ ربیع الاوّل کو پیر کا دن تھا، اور رسولِ پاکؐ قبا میں چار روز ٹھہر کر جمعہ کو مدینہ منوّرہ روانہ ہوئے گویا ۲۰۔ ستمبر کو پہنچے اور ۲۴۔ کو وہاں سے روانگی عمل میں آئی۔

اسلامی تاریخ

ہجرت اگرچہ بڑے ناخوشگوار حالات میں ہوئی تھی۔ قریش کی عداوت نے مسلمانوں کی بے چارگی اور پریشان حالی کو آخری حد پر پہنچادیا تھا اور بہ ظاہر خدا کے پاک دین کے لیے کسی جگہ قدم جمانے کی کوئی صورت دکھائی نہیں دیتی تھی، لیکن غور کرو تو ہجرت ہی کا واقعہ اسلام کی تاریخ کا انقلابی واقعہ بنا۔ اسی پر پیغامِ حق کا پہلا دَور ختم ہوا اور دوسرے دور کا آغاز ہوگیا۔ تیرہ برس تک رسُول پاک اور آپؐ کے جاں نثار ساتھیوں نے ہر قسم کے ظلم سہے، ہر طرح کے دُکھ برداشت کیے، ہر نوع کی سختیاں جھیلیں، ہر رنگ کے نقصان اُٹھائے۔ بعد کے دس برس میں ہر عداوت کا صابرانہ اور فداکارانہ مقابلہ کیا۔ یہاں تک کہ تعصب و بے خبری کی ظلمت کے پردے چاک ہوگئے۔ دلوں کے دروازے پیغامِ حق کی پذیرائی کے لیے کھُل گئے۔ اسلام ہر قلب و روح میں اُترنے لگا۔ اسی اثنا میں مردانِ حق کی وہ جماعت منظم ہوئی جس نے بیس برس کے اندر اندر خدا کے نام کی بڑائی کے پھریرے ہر فضا میں اُڑا دیے۔ پورے کرۂ ارض میں اسلام کی گونج پیدا کردی۔ گویا اسلام کی فتح مندیوں اور کامرانیوں کا آغاز ہجرت ہی سے ہوا جو ظاہراً مظلومیت و بے چارگی کا ایک نہایت درد ناک مرقع تھی، اس لیے جب اسلامی تاریخ مقرر کرنے کا سوال پیدا ہوا تو ہجرت ہی کو اس کی بنیاد ٹھہرایا گیا۔ چنانچہ ہمارے سن کا نام بھی سن ہجری ہے۔

سترھواں باب

مدینہ منورہ کی آبادی

مدینہ منوّرہ ہم نے اب تک مدینہ منورہ کے لیے عام طور پر "یثرب" کا نام استعمال کیا۔ رسول ؐ پاک کی تشریف فرمائیؐ سے پہلے یہ مقام "یثرب" ہی کے نام سے مشہور تھا۔ اس کے چاروں طرف پہاڑ ہیں: شمال میں کوہ ثور اور جنوب میں کوہ عیر، مشرق اور مغرب میں دو حرّے ہیں۔ مشرق میں حرّہؐ واقم اور مغرب میں حرّہؐ وبرہ۔ حرّہ جلی ہوئی سنگلاخ زمین کو کہتے ہیں۔ ان حرّوں کو پہاڑ تو نہیں کہہ سکتے۔ جلے ہوئے کالے کالے پتھروں کی ذرا ابھری ہوئی بلندیاں سمجھنا چاہیے۔ بیچ کا علاقہ بڑا زرخیز اور سیراب ہے۔ اس میں کھجوروں کے باغ بھی بکثرت ہیں۔ کھیتی باڑی بھی خوب ہوتی ہے۔ شہر کے قریب شمالی سمت میں جبل سلع ہے۔

آبادی کی کیفیت بیچ کے علاقے میں کئی چھوٹی چھوٹی آبادیاں تھیں۔ مثلاً قبا، عوالی (یعنی اونچی جگہ) اور مختلف قبیلوں کی بستیاں، جو ان قبیلوں کے نام سے منسوب تھیں۔ کہیں کہیں عرب اور یہودی سرداروں نے قلعے بھی بنا رکھے تھے۔ پوری آبادی پہلے یثرب کہلاتی تھی۔ جب رسولؐ پاک وہاں پہنچے تو آپؐ جس جگہ آباد ہوئے اس کا نام مدینۃ النبیؐ (نبی کا شہر) مشہور ہوا۔ یہ نام کثرت استعمال

سے صرف "مدینہ" رہ گیا۔
یثرب کی بستی اب بھی جبل سلع کے شمال مغرب میں موجود ہے۔ قبا اور عوالی بھی ہیں، لیکن جب مدینہ منوّرہ اسلامی حکومت کا مرکز بنا تو کئی چھوٹی چھوٹی بستیاں اس کے بیچ میں آگئیں۔ ترکوں کے زمانے میں مدینے کی آبادی اسّی ہزار تھی، بعد میں گھٹ کر صرف بیس ہزار رہ گئی۔

باشندے مدینے میں عرب بھی رہتے تھے اور یہودی بھی۔ عربوں کے دو قبیلوں کو بڑی شہرت حاصل تھی۔ ایک "اوس" دوسرا "خزرج" یہ بنو قحطان تھے، جو عرب عاربہ یعنی خالص عرب سمجھے جاتے تھے اور یمن سے نکل کر مدینے میں آباد ہوئے تھے۔ یہودیوں کے تین گروہ تھے، بنو قُریظہ، بنو نضیر اور بنو قینقاع۔ عرب عام طور پر کھیتی باڑی کرتے تھے، یہودی تجارت اور صنعت و حرفت میں مشہور تھے۔ وہ دولت مند بھی تھے اور چالاک بھی۔ سود پر روپیہ دیتے تھے۔ آہستہ آہستہ انھوں نے بڑی دولت جمع کر لی اور ان کے مقابلے میں عرب بہت کمزور رہ گئے۔ باہمی لڑائیوں نے بھی عربوں کی قوّت کو سخت نقصان پہنچایا۔ وہ اگرچہ بت پرست تھے، لیکن اپنے ہم وطن یہودیوں سے باتیں سُن سُن کر یہ جان چکے تھے کہ خدا اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے رسول بھیجتا ہے اور ان پر کتابیں نازل کرتا ہے۔ بلکہ یہ بھی جان چکے تھے کہ یہودی ایک بڑے نبی کے آنے کا انتظار کر رہے ہیں۔

مہاجر اور انصار ہم بتا چکے ہیں کہ حضرت مصعبؓ بن عمیر کی تبلیغ

سے اسلام عربوں میں پھیل چکا تھا۔ رسول پاک مدینے پہنچے تو وہاں کی اسلامی آبادی میں دو نئے ناموں نے رواج پایا، اول وہ لوگ جو مکے یا دوسرے مقامات کو چھوڑ کر مدینے میں پہنچے تھے، انھیں "مہاجرین" کہنے لگے یعنی ہجرت کر کے آنے والے لوگ۔ جو مسلمان مدینے میں تھے ان کا نام "انصار" رکھا گیا۔ "انصار" "ناصر" کی جمع ہے، جس کے معنی ہیں مدد کرنے والا۔ چونکہ ان لوگوں نے باہر سے آنے والے مظلوم مسلمانوں کی مدد کی تھی۔ اس لیے "انصار" کا نام پایا۔

مدینہ منورہ میں داخلہ رسولؐ پاک قبا سے مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے تو راستہ کی ہر آبادی کے لوگ بے تابی سے ساتھ دوڑے آتے اور عرض کرتے "حضور! یہ گھر ہے، یہ مال ہے یہ جان ہے "قبول فرمایئے"۔ آپؐ دعا کرتے اور آگے بڑھ جاتے۔ آبادی کے نزدیک پہنچے تو گلی کوچے خدا کی حمد و ثنا کے آوازے سے گونج رہے تھے۔ انصار کی معصوم لڑکیاں گیت گا رہی تھیں جس کے اشعار کا ترجمہ قاضی سلیمان مرحوم نے یوں کیا ہے:

ان پہاڑوں سے جو ہیں سوئے جنوب
چودھویں کا چاند ہے ہم پر چڑھا
کیسا عمدہ دین اور تعلیم ہے
شکر واجب ہے ہمیں اللہ کا
ہے اطاعت فرض تیرے حکم کی
بھیجنے والا ہے تیرا کبریا[1]

[1] اصل عربی اشعار دیکھو حاشیہ برصفحہ ۱۰۰

رسول پاک کی مہمانی ... ہر شخص چاہتا تھا کہ رسول پاک کی مہمانی کا شرف اسے حاصل ہو۔ آپؐ نے فرمایا: میری سواری کو چھوڑ دو، یہ جہاں ٹھہرے گی، وہیں میں قیام کروں گا۔ سواری حضرت ابو ایوبؓ انصاری کے گھر کے سامنے رُکی۔ اس طرح رسولؐ پاک کی میزبانی کی سعادت حضرت ابو ایوبؓ کے حصے میں آئی۔

ان کا مکان دو منزلہ تھا۔ عرض کیا کہ آپؐ اُوپر کی منزل میں قیام فرمائیں۔ آپؐ نے فرمایا: ملنے کے لیے لوگ آتے ہیں، ان کی سہولت کو مدِّنظر رکھتے ہوئے نچلی منزل ہی میں ٹھہرنا مناسب ہے۔ حضرت ابو ایوبؓ نے نیچے کی منزل خالی کر دی۔ اور خود اُوپر کی منزل میں چلے گئے۔ ایک رات اتفاق سے ایک برتن ٹوٹ گیا، جس میں پانی بھرا ہوا تھا اور پانی فرش پر بہنے لگا۔ حضرت ابو ایوبؓ اس خیال سے پریشان ہو گئے کہ شاید پانی کا کوئی قطرہ نچلی منزل میں جا پہنچے۔ اُٹھے اور اپنے اوڑھنے کا لحاف اُٹھا کر پانی پر ڈال دیا تاکہ سارا پانی اس میں جذب ہو کر رہ جائے۔ ان کے پاس یہی ایک لحاف تھا اور کوئی چیز نہ تھی جو سردی سے بچاؤ کا کام دیتی۔

دلچسپ مضمون صفحہ ۹۹

المترق البدر علینا — من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا — ما دعا للہ داع
ایہا المبعوث فینا — جئت بالامر المطاع

ثنیہ ٹیلے کو کہتے ہیں، ثنیات الوداع مدینے کے جنوب میں ایک پہاڑ ہے جہاں تک مہمانوں اور دوستوں کو چھوڑنے اور رخصت کرنے کے لیے اہل شہر جایا کرتے تھے۔

مسجد اور حجرے مدینے میں رسول پاکؐ نے سب سے پہلے مسجد تعمیر کرائی، اس کے لیے جو جگہ پسند فرمائی، وہ دو یتیموں کی ملکیت تھی۔ مالکوں اور اُن کے سرپرستوں نے یہ جگہ آپؐ کی خدمت میں نذر کے طور پر پیش کرنی چاہی۔ لیکن آپؐ نے اصرار کے ساتھ قیمت ادا کی۔ مسجد کی تعمیر شروع ہوئی تو آپؐ خود بھی اس میں مزدوروں کی طرح کام کرتے رہے۔ کچی اینٹوں کی دیواریں تھیں، کھجور کی شاخوں کی چھت۔ مسجد کے ایک طرف پر چبوترہ بنا کر اس پر چھپر ڈال دیا گیا تھا۔ اسے صفہ کہتے ہیں۔ جن مسلمانوں کے ٹھہرنے کے لیے اور کوئی جگہ نہ تھی اور عیال دار نہ تھے، وہ اس چبوترے پر سو رہتے۔

مسجد کے ساتھ مشرقی سمت میں ازواج کے لیے کچی اینٹوں کے حجرے تعمیر ہوئے۔ سات مہینے کے بعد رسولؐ پاک نے ابو ایوبؓ کے مکان سے اُٹھ کر ان حجروں میں سکونت اختیار فرمائی۔

مواخات مہاجرین بالکل خالی ہاتھ مدینے پہنچے تھے۔ انصار کے پاس اگرچہ دولت کے ذخیرے موجود نہ تھے، لیکن انھوں نے جس محبت اور دلی تڑپ کے ساتھ اپنا سب کچھ عزیز مہمانوں کی خدمت میں پیش کیا، اس کی مثال شاید ہی کہیں مل سکے۔ رسولؐ پاک نے ایک ایک مہاجر اور ایک ایک انصار کے درمیان برادری کا رشتہ قائم کر دیا۔ اسے مواخات کہتے ہیں یعنی بھائی چارا۔ انصار کی شان ایثار دیکھیے کہ انھوں نے اپنی پوری ملکیتوں کے دو حصے کیے اور ایک ایک حصہ مہاجر بھائیوں کی نذر کر دیا۔ مہاجرین کی خودداری ملاحظہ ہو کہ انھوں نے کہا ہمیں اپنا

کاروبار کرنے دیجیے اور جب تک خود کمانے کے قابل نہ ہوئے صرف اس وقت تک مہمان بننا گوارا کرلیا۔ انصار کے پاس زمینیں تھیں مہاجرین تجارت کرتے آئے تھے اور کھیتی باڑی جانتے نہ تھے۔ انصار نے عرض کیا کہ کھیتی باڑی ہم خود کریں گے، جو پیداوار ہوگی، اس کا آدھا حصہ مہاجرین کو دے دیا کریں گے۔

برادری کا رشتہ انصار کے نزدیک اتنا اہم بن گیا تھا کہ اگر انصار میں سے کوئی فوت ہوجاتا، تو اس کی جایداد میں سے مہاجر بھائی کو ترکہ ملتا۔ لیکن یہ صرف ابتدائی دور کے انتظامات تھے۔ تھوڑے ہی دنوں میں مہاجرین نے اپنے کاروبار چلا لیے اور ہر امداد سے بے نیاز ہو گئے۔

اذان مسجد میں باقاعدہ جماعت ہونے لگی تو یہ سوال پیدا ہوا کہ نمازیوں کو وقت پر بلانے کی کیا صورت ہو؟ حضرت عمرؓ نے اذان کی تجویز پیش کی۔ رسولؐ پاک نے اس تجویز کو پسند فرمایا حضرت بلالؓ نے سب سے پہلے اذان کہی۔

اٹھارھواں باب

صلح وامن کے انتظامات

یہودیوں کے ساتھ عہدنامہ ہم بتا چکے ہیں کہ مدینے میں یہودیوں کے تین بڑے گروہ رہتے تھے، جنھیں عربوں پر بڑا اقتدار حاصل تھا۔ رسولؐ پاک نے مناسب سمجھا کہ ان کے ساتھ صلح وامن کا عہدنامہ ہو جائے تاکہ ان کے دل میں کوئی وسوسہ باقی نہ رہے اور سب لوگ اطمینان سے مل جل کر رہیں۔ جو عہدنامہ ہوا اور اس کی خاص شرطیں یہ تھیں:

(۱) مسلمان اور یہودی ایک قوم کے حکم میں ہوں گے۔ دونوں فریقوں میں سے کسی ایک کو جنگ پیش آئے گی تو دوسرا فریق مدد دے گا۔ اور دونوں ایک دوسرے کی خیرخواہی پیش نظر رکھیں گے۔

(۲) دونوں فریق اپنے اپنے دین پر رہیں گے۔ اور مدینے پر حملہ ہوگا تو دونوں مل کر روکیں گے۔

(۳) کوئی فریق عہدنامے کے خلاف کارروائی نہ کرے گا اور مظلوم کی مدد کی جائے گی۔

(۴) اگر دونوں فریقوں کے درمیان کوئی نئی بات پیدا ہوگی یا ایسا جھگڑا اُٹھے گا جس سے فساد کا خوف ہو تو اس جھگڑے کا فیصلہ خدا و رسولؐ پر چھوڑا جائے گا۔

یہودیوں نے خوشی خوشی یہ عہدنامہ قبول کرلیا۔ بعد میں بڑی بے دردی سے اسے توڑا، اس کا ذکر موقع پر آئے گا۔

قریش کا غیظ و غضب

رسولؐ پاک اس کے سوا کچھ نہیں چاہتے تھے کہ مسلمان اطمینان کے ساتھ دین حق کی تبلیغ کریں اور اپنے عمل سے دُنیا کو بتائیں کہ یہ دین کس قدر خیر و برکت کا سرچشمہ ہے۔ لیکن قریش کے دل میں عداوت کے جو شعلے تیرہ برس سے بھڑک رہے تھے وہ فرو نہ ہوئے، اگرچہ مسلمان مکے کو چھوڑ کر تین سو میل کے فاصلے پر آچکے تھے۔ قریش کو یہ کسی طرح منظور نہ تھا کہ مسلمان اتنی دُور آجانے کے بعد بھی آرام اور چین سے بیٹھیں۔ انھوں نے مدینے کے ان عربوں کو اُبھارا جو ابھی تک اسلام کے بارے میں دو دلے تھے۔ ان میں سے عبداللہ ابن ابیّ خاص طور پر قابل ذکر ہے، جسے مدینے بھر کا سردار بن جانے کی امید تھی اور یہ امید مسلمانوں کے آجانے کے بعد درہم برہم ہوگئی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ قریش نے یہودیوں کو انگیخت دی۔ وہ بھی سمجھ رہے تھے کہ اوس و خزرج کے اسلام قبول کرلینے اور رسولؐ پاک کے مدینہ آجانے کے بعد ان کا پہلا اقتدار باقی نہیں رہا۔ قریش کی امداد کا سہارا ملا تو جھٹ مخالفت کے لیے تیار ہوگئے۔

قبیلوں سے عہدنامے

رسولؐ پاک نے صلح و امن کا جو کام مدینے میں شروع کیا تھا، اُسے آہستہ آہستہ پھیلانے لگے۔ بحیرۂ احمر کے ساحل اور مدینے کے درمیان جتنے قبیلے رہتے

تھے، ان میں سے ایک ایک سے عہد نامے ہونے لگے۔ بعض جگہ اپنے ساتھیوں کے چھوٹے چھوٹے جتھے بھیجے، بعض مقامات پر آپؐ خود تشریف لے گئے۔ ہر قبیلے کو یقین دلایا کہ ان پر اگر کوئی حملہ کرے گا تو مسلمان مدد دیں گے اور مسلمانوں کو مدد کی ضرورت پڑے گی تو وہ تیار ہوں گے۔ ان عہدناموں کا ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ قبیلوں کی باہمی جنگیں ختم ہونے لگیں۔ قریش کو صلح و امن کے یہ انتظامات ایک آنکھ نہ بھائے اور ان کی آتش عداوت بدستور بھڑکتی رہی۔

شام کی تجارتی شاہراہ مدینہ شام و یمن کی تجارتی شاہراہ سے قریب واقع تھا۔ قریش کے دل میں اب یہ وسوسہ پیدا ہو گیا کہ اگر مسلمانوں نے مدینے میں قدم جما لیے اور آس پاس کے قبیلوں کو اپنے ساتھ ملا لیا تو شام کی تجارتی شاہراہ قریش کے قافلوں کے لیے بند ہو جائے گی یا کم سے کم ان کی تجارت مسلمانوں کے رحم پر رہ جائے گی۔

ظاہر ہے کہ جن مسلمانوں کو طرح طرح کے دکھ دے دے کر گھروں سے نکالا گیا تھا، ان کے مال اور جائدادیں چھین لی تھیں، ان کے خلاف جنگ کی حالت پیدا کر رکھی تھی، وہ اگر جواب میں قریش کی تجارت کو روک بھی دیتے تو ہر لحاظ سے حق بجانب سمجھے جاتے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ مسلمان صرف صلح و امن کے دائرے کو آہستہ آہستہ بڑھاتے جا رہے تھے۔ اس لیے کہ جانتے تھے، اسلام صلح و امن کی فضا میں جتنی ترقی کرے گا، وہ جنگ کی حالت

میں ممکن نہ ہوگی، جبکہ دلوں میں عداوت کی گرہیں پڑجاتی ہیں اور جوش کے باعث دماغ نیک و بد کی تمیز کے قابل نہیں رہتے۔

قریش کی زیادتیاں قریش نے صرف سازشوں پر قناعت نہ کی بلکہ ان کے ایک سردار نے چپ چاپ آکر مدینے کی چراگاہ پر حملہ کر دیا اور مویشی پکڑ کر لے گیا۔ یہ اس امر کا اعلان تھا کہ قریش کو موقع ملا تو وہ مسلمانوں کو مدینے سے بھی باہر نکال کر دم لیں گے۔ ایسے خوفناک اور حق ناشناس دشمن سے بچاؤ کی شکل اس کے سوا کیا تھی۔ کہ اینٹ کا جواب پتھر سے نہیں تو اینٹ سے ضرور دیا جاتا؟

فیصلہ کن لڑائی کی تیاریاں یہ حالات تھے جب قریش نے فیصلہ کیا کہ مدینے پر زبردست حملہ کر کے مسلمانوں کو ختم کر ڈالیں۔ اس غرض کے لیے روپے کی ضرورت تھی۔ روپیہ تجارت ہی سے حاصل کیا جا سکتا تھا۔ اہل مکّہ نے اپنا سارا مال تجارت میں لگا دیا اور ایک بھاری قافلہ تجارت کے لیے شام بھیجا۔ عہد یہ تھا کہ جتنا نفع ہوگا سارے کا سارا مسلمانوں کے خلاف لگا دیا جائے گا۔ یہ شعبان ۲ھ (فروری ۶۲۴ء) کا واقعہ ہے۔ ابوسفیان اس قافلے کا سردار تھا، جو اس زمانے میں رسولِ پاک کے ساتھ عداوت میں بہت پیش پیش تھا۔ کہتے ہیں کہ پورا مال پچاس ہزار اشرفی سے کم کا نہ تھا، جو آج سے تیرہ چودہ سو برس پہلے کے عرب میں بہت بڑی دولت تھی۔

تجارتی قافلہ رسولِ پاک جگہ جگہ آدمی بھیج کر پوری خبریں منگاتے رہتے تھے۔ مکے میں آپ کے چچا عباس بھی خبریں بھیج دیتے تھے،

اگرچہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوے تھے۔ قریش کے قافلے کے بارے میں بھی پوری اطلاعات مل چکی تھیں، بلکہ رسولؐ پاک نے کچھ آدمی بھی بھیج دیے تھے کہ قافلے کی واپسی کی خبر معلوم کریں۔ جو مال لے کر قافلے والے شام گئے تھے، اتنے ہی کا دوسرا مال خرید کر لا رہے تھے۔

اس قافلے پر چھاپا مارا جاتا تو حالت جنگ میں پیش بندی کی یہ ایک نہایت عمدہ تدبیر ہوتی اور یقیناً رسولؐ پاک کے بعض ساتھیوں کا خیال بھی تھا کہ چھاپا مارا جائے، لیکن نہ مارا گیا اور نہ کوئی دستہ اس غرض سے بھیجا گیا۔ ابوسفیان کے دل میں ویسے ہی ڈر بیٹھا ہوا تھا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ مدینے کے ایک دو آدمی راستے کے آس پاس پھرتے ہوے دیکھے گئے ہیں تو اس نے جھٹ ایک قاصد کو مکے دوڑا دیا کہ قریش کو خبر کر دے، قافلہ خطرے میں ہے، اسے بچانے کے لیے مدد بھیجو اور خود عام راستے سے ہٹ کر ساحل کے ساتھ ساتھ ہو لیا۔

قریش نکل پڑے ابوسفیان کے قاصد نے مکے پہنچتے ہی فریادی عربوں کے عام طریقے کے مطابق اپنے اونٹ کے کان کاٹ ڈالے، ناک چیر دی، اپنا کرتا پھاڑ لیا اور شور مچا دیا کہ اے قریش! اپنے قافلے کی خبر لو۔ تمھارے مال کو مسلمان لوٹنے کے درپے ہیں۔ امید نہیں تمھارے پہنچنے تک قافلہ سلامت رہے۔ دوڑو، دوڑو، مدد کو پہنچو۔

یہ شور سن کر قریش کے بڑے بڑے سردار شان اور کروفر

کے ساتھ گھروں سے نکل پڑے۔ وہ سب ملا کر ایک ہزار جنگجو تھے۔ ان میں سے چھ سو نے زرہیں پہن رکھی تھیں۔ ادھر مسلمانوں کو بھی مقابلے کے لیے نکلنا پڑا۔ اس طرح قدرت نے جنگ بدر کا سامان کر دیا جو حق اور باطل کی پہلی زبردست ٹکر تھی۔

حق کامیاب رہا۔ باطل سرنگوں ہوگیا اور اس کے بڑے بڑے علمدار خاک و خون میں تڑپ تڑپ کر ہمیشہ کے لیے ٹھنڈے ہو گئے۔

انیسواں باب

جنگِ بدر

مقابلے کے سوا چارہ نہ رہا رسولؐ پاک کو قریش کی تیاریوں اور جوش و خروش کا حال معلوم ہوا تو مقابلہ کے لیے نکلنے کے سوا چارہ نہ رہا۔ سوچو کہ اگر آپ مدینے میں بیٹھے رہتے تو نتیجہ کیا نکلتا؟ قریش لشکر لے کر بڑھے چلے آتے اور مدینے پر حملہ کر دیتے۔ مدینے کے باشندوں میں سے یہودیوں اور عبداللہ ابن ابی کے ساتھیوں پر بالکل بھروسا نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اندیشہ تھا کہ خطرے کا موقع سامنے آتے ہی وہ قریش کے ساتھ مل جائیں گے۔ جن قبیلوں کے ساتھ رسولؐ پاک نے صلح و امن کے عہد نامے کیے تھے، ▪▪ سب مسلمانوں کے متعلق بدگمان ہو جاتے اور سمجھ لیتے کہ جو جماعت دشمنوں کے خلاف جم کر لڑ نہیں سکتی، اس کے ساتھ عہد نامہ کرنے یا اس کا پابند رہنے کا فائدہ کیا ہے؟

یہ بھی سوچو کہ مسلمانوں نے قریش کا کیا بگاڑا تھا؟ ان پر حملہ نہیں کیا تھا۔ ان کا مال نہیں لوٹا تھا۔ ان کی کسی چیز کو نقصان نہیں پہنچایا تھا۔ وہ صرف یہ کہتے تھے کہ ایک خدا کی پرستش کرو، اپنے اخلاق اچھے رکھو، عملوں میں نیکی اور پاکیزگی کا دامن

نہ چھوڑو ۔ کیا کسی قوم یا گروہ کے لیے جائز تھا کہ وہ خدا کے
ان پاک بندوں کو نیکی کی راہ سے روکنے میں اتنا آگے نکل جائے
کہ ان کے لیے خدا کی زمین پر سانس لینا ناممکن بنا دے ؟

صحابہ سے مشورہ رسولؐ پاک نے صحابہ سے مشورہ کیا ۔
مہاجرین نے بڑی جان نثارانہ تقریریں کیں ، لیکن آپ کی نظر
انصار پر تھی ، جن کے لیے قریش سے مقابلے کا یہ پہلا موقع تھا ۔
انصار کے نمایندے نے عرض کیا کہ " حضور ! خدا کی قسم ، آپؐ
فرمائیں تو ہم سمندر میں کود پڑیں ۔ ہم موسیٰؑ کی قوم کی طرح یہ
نہیں کہیں گے کہ آپؐ اور آپؐ کا خدا جا کر لڑیں بلکہ آپؐ کے
دائیں ، بائیں ، آگے اور پیچھے ہو کر لڑیں گے ۔ " یہ سُنا تو رسولؐ
پاک کا چہرہ مبارک چمک اُٹھا ۔

مدینے سے روانگی آپؐ ۱۲ ۔ رمضان سنہ ۲ھ (۹ ۔ مارچ ۶۲۴ء)
کو مدینے سے نکلے ۔ ایک میل پر جا کر راہ خدا کے غازیوں کا معائنہ
فرمایا ۔ کمسن لڑکے بھی خدا کاری کے جوش میں ساتھ ہو گئے تھے ،
رسولؐ پاک نے انھیں محبت اور پیار سے واپس لوٹا دیا ۔ وہ زار زار
رو رہے تھے کہ اسلام کی راہ میں جانیں نثار کرنے کے پہلے
موقع سے محروم ہو رہے ہیں ۔ حضرت سعدؓ وقاص کے بھائی عُمیر
اتنا روئے کہ رسولؐ پاک نے انھیں ساتھ لے جانے کی اجازت
دے دی ۔ وہ اتنے چھوٹے تھے کہ تلوار کمر میں باندھی تو زمین کے
ساتھ لگ گئی ۔

کل ساتھی تین سو تیرہ تھے ۔ قریش ان کے مقابلے میں تین گنا

تھے اور ساز و سامان میں مسلمانوں کو قریش کے ساتھ کوئی نسبت نہ تھی۔

قریش کا قافلہ مسلمان ۱۷۔ رمضان کو بدر کے سامنے پہنچ گئے۔ جو شام کی شاہراہ کا مشہور مقام تھا۔ اس وقت تک قریش کا قافلہ بچ کر نکل گیا تھا۔ ابو سفیان نے جب قاصد مکے دوڑایا تھا تو اس کے ساتھ ہی عام راستے کو چھوڑ کر قافلے کو سمندر کے کنارے کنارے چلانا شروع کر دیا تھا۔ اب قریش کے لیے لڑائی کی کوئی وجہ نہیں رہی تھی، لیکن ابو جہل جو قریش کے گروہ میں شر و فساد کا سب سے بڑا علمدار تھا، واپس جانے پر راضی نہ ہوا۔ اس نے کہا کہ ہم بدر تک جائیں گے تاکہ آس پاس کے تمام قبیلوں پر ہماری دھاک بیٹھ جائے۔ لوگ رسول پاک بدر کی شمالی سمت میں پہنچے تو قریش کا لشکر اس وقت جنوبی سمت میں آکر اتر چکا تھا اور لڑائی کے اسباب فراہم ہو چکے تھے۔ اگرچہ بعض اصحاب اسے روکنا چاہتے تھے۔

رسول پاک کی دعائیں صحابہ نے رسول پاک کے لیے فوج کے پیچھے ایک اونچی جگہ پر سائبان بنا دیا، آپؐ اس میں بیٹھ کر میدانِ جنگ کو پوری طرح دیکھ سکتے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ آپؐ کے پاس تھے۔ سعدؓ بن معاذ دروازے پر پہرہ دے رہے تھے۔

آپؐ بار بار دعائیں مانگ رہے تھے۔ کہ "خدایا! جو وعدے تو نے کیے تھے اب انھیں پورا کر۔ خدایا! اگر تیرے یہ تھوڑے سے عبادت گزار بندے مٹ گئے تو تیری عبادت کرنے والا قیامت تک کوئی نہ رہے گا۔

دعاؤں میں محویت کا یہ عالم تھا کہ چادر کندھے سے گر گر پڑتی

تھی۔ اور آپؐ کو خبر تک نہ ہوتی تھی۔ یہ اُمت کو تعلیم تھی۔ یعنی آپؐ نے سکھایا کہ اپنی ساری تدبیریں پوری کر کے بھی خدا کے سامنے انتہائی عاجزی اور انکسار کے ساتھ گڑگڑانا چاہیے۔ فتح اسی کے فضل و رحمت پر موقوف ہے۔ انسان کی تدبیروں یا جمع کیے ہوئے سامان پر نہیں۔

جنگ ۱۹۔ رمضان مبارک ۲ھ (۱۶۔ مارچ ۶۲۴ء[۱]) کو جمعہ کے دن بدر کے میدان میں جنگ کے لیے صفیں باندھی گئیں۔ اس موقع پر بھی بعض لوگوں نے جنگ کو روکنے کی کوشش کی لیکن ابوجہل نے کوئی کوشش کامیاب نہ ہونے دی۔ جنگ ویسے بھی دردناک ہوتی ہے۔ لیکن جنگ بدر کا یہ پہلو خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ عزیزوں کو عزیزوں کا مقابلہ کرنا پڑا۔ حضرت ابوبکرؓ کے فرزند عبدالرحمٰن قریش کے ساتھ تھے۔ حضرت ابوبکرؓ اسلامی لشکر کے بزرگوں میں تھے۔ حضرت حذیفہؓ مسلمانوں کی طرف تھے ان کا باپ عتبہ قریش کی طرف تھا۔ حضرت ابوعبیدہؓ کے مقابلے پر ان کا باپ تھا لیکن کسی کو رشتے کا خیال نہ تھا۔ سب رشتے خدا و رسولؐ کی محبت اور

[۱] اکثر اصحاب نے لکھا ہے کہ بدر کا معرکہ ۱۸۔ رمضان کو ہوا اور جمعہ کا دن تھا۔ لیکن تقویم سے ثابت ہوتا ہے کہ ۱۷۔ رمضان کو منگل یا بدھ کا دن تھا۔ مصری علماء نے تاریخ ۱۷۔ رمضان ہی رکھی اور دن جمعہ کے بجائے منگل کا لکھا۔ میرا خیال ہے کہ تاریخ کے بارے میں شبہ ہو سکتا ہے دن کے بارے میں شبہ نہیں ہو سکتا۔ دن یقیناً جمعہ کا تھا۔ تاریخ ۱۹۔ رمضان سمجھنی چاہیے۔ بعض روایتوں میں ۱۹۔ رمضان بھی آئی ہے۔ میرے نزدیک یہی صحیح ہے۔ واللہ اعلم

اسلام کے رشتے کے سامنے ہیچ رہ گئے تھے۔

وقت کے قاعدے کے مطابق پہلے اِکّا دکّا زور آزمائی ہوتی رہی۔ پھر عام جنگ شروع ہو گئی۔ مدینہ کے دو نوعمر غازیوں نے سُن رکھا تھا کہ ابوجہل رسولؐ پاک کا بہت بڑا دشمن ہے۔ انھوں نے عبدالرحمٰنؓ بن عوف سے ابوجہل کا پتہ نشان پوچھا۔ جب اسے پہچان لیا تو باز کی طرح جھپٹے اور اسے گرا کر دم لیا، اگرچہ ان میں سے ایک کا بازو اسی سعی میں کٹ گیا۔ ابوجہل اور بعض دوسرے بڑے سردار مارے گئے تو قریش ہمت ہار بیٹھے۔ مسلمانوں میں سے صرف چودہ شہید ہوئے، قریش کے ستّر آدمی مارے گئے جن میں کئی بڑے بڑے سردار تھے، اور گھر گھر صفِ ماتم بچھ گئی۔ ستّر قیدی پکڑے گئے۔ ان کے ساتھ رسولؐ پاک کے حکم کے مطابق اتنا اچھا سلوک ہوا کہ جنگی قیدیوں کے ساتھ ایسے سلوک کی مثال نہیں مل سکتی۔ قید کرنے والے خود صرف کھجوریں کھاتے تھے اور قیدیوں کو روٹیاں کھلاتے تھے۔

بدر کے نتائج | مقابل فریقوں یا مقتولوں اور اسیروں کی تعداد پر نظر ڈالی جائے تو شاید سمجھا جائے کہ یہ جنگ نہ تھی بلکہ ایک معمولی جھڑپ تھی۔ لیکن نتائج کے اعتبار سے تاریخ کی بڑی بڑی لڑائیاں اس کے سامنے ہیچ ہیں۔ یہ حق کی سربلندی کا پہلا جلوہ تھا۔ یہ ان عظیم الشان اور غیر معمولی کارناموں کی صبحِ اوّل تھی جن کے آوازے سے تاریخ عالم کے ایوان قیامت تک گونجتے رہیں گے۔ فوری نتائج یہ ہوئے کہ اس جنگ نے قریش کا زور توڑ دیا۔ اگرچہ اس کے بعد بھی وہ مخالفت میں

لگے رہے اور فتح مکہ تک ان کے غرور و تکبر کی گردن نیچی نہ ہوئی لیکن در اصل ان پر بدر ہی میں کاری ضرب لگ چکی تھی، جس کے بعد وہ سنبھل نہ سکے۔ اس ایک فتح نے مدینے کے حالات بھی بہتر بنا دیے۔ یہودیوں پر خاصا رعب قائم ہو گیا۔ اوس و خزرج میں سے جو لوگ ابھی تک ایمان نہیں لائے تھے، وہ مسلمان ہو گئے۔ اگرچہ ان میں سے بعض ایسے بھی تھے جن کا ظاہر کچھ تھا اور باطن کچھ۔ جن قبیلوں سے رسولؐ پاک نے عہدنامے کیے تھے، ان کو اطمینان ہو گیا اور دوسرے قبیلوں پر بھی مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی۔

جنگِ سویق بدر میں شکست کھانے کے بعد ابوسفیان نے قسم کھائی تھی کہ جب تک مسلمانوں سے بدلہ نہ لے لوں گا، نہاؤں گا نہیں۔ وہ دو سو سواروں کے ساتھ نکلا۔ مدینے کے قریب پہنچ کر سواروں کو باہر چھوڑا۔ خود رات کی تاریکی میں ایک یہودی سے ملا، اس کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف مشورے کرتا رہا۔ رات کے آخری حصے میں نکلا، مدینے سے تین میل پر ایک گاؤں ہے، اس پر اچانک حملہ کیا۔ چند مکانات، گھانس کے انبار اور درخت جلائے۔ ایک انصاری کو شہید کیا، اس طرح قسم پوری کر کے بھاگ گیا۔ مسلمانوں کو خبر لگی تو پیچھا کیا۔ لیکن اسے پا نہ سکے۔ ابوسفیان کی گھبراہٹ اور پریشانی کا یہ عالم تھا کہ رسد کا سامان راستے میں پھینک گیا۔ یہ ستو تھے۔ عربی میں ستو کو سویق کہتے ہیں، اس لیے یہ واقعہ جنگِ سویق کہلاتا ہے۔

حضرت فاطمہؓ کا نکاح بدر کے بعد حضرت فاطمہؓ کا نکاح ہوا۔

کئی پیغام آ چکے تھے۔ رسولؐ پاک فرماتے جو خدا کا حکم ہو گا، ہو جائے گا۔ حضرت علیؓ کی درخواست منظور ہوئی۔ رسولؐ پاک نے شیرِ خدا سے پوچھا مہر کے لیے کوئی چیز ہے؟ عرض کیا صرف ایک زرہ ہے۔ یہ چار سو اسّی درم میں فروخت ہوئی۔ اس زرہ کے علاوہ حضرت علیؓ کے پاس بھیڑ کی ایک کھال اور ایک پرانی یمنی چادر تھی۔ آپؓ نے یہ کل چیزیں حضرت فاطمہؓ کی نذر کر دیں۔

رسولؐ پاک نے اپنی چہیتی بیٹی کو جو جہیز دیا، اس کا حال بھی سن لو: بان کی چارپائی، چمڑے کا گدا جس میں کھجور کے پتے بھرے ہوئے تھے، ایک چھاگل، ایک مشک، دو چکیاں اور مٹی کے دو گھڑے اور اس نکاح کی رسم جس سادگی سے ادا ہوئی، وہ امت کے لیے ایک نہایت عمدہ نمونہ بنی رہے گی۔

بنو قینقاع کی شرارتیں مدینے کے یہودی مسلمانوں کی قوت کو بڑھتے دیکھ کر دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا رہے تھے۔ ان میں سے بنو قینقاع کی شرارتیں بہت زیادہ بڑھ گئیں۔ انھوں نے ایک مسلمان کو شہید کر دیا۔ رسولؐ پاک خود سمجھانے کے لیے گئے اور فرمایا: "خدا سے ڈرو۔ کہیں تم پر بھی عذاب نازل نہ ہو، جس طرح قریش پر بدر میں نازل ہوا۔" وہ بدبخت کہنے لگے کہ ہم قریش نہیں ہیں۔ ہم سے معاملہ پڑے گا تو بتا دیں گے کہ لڑائی کیسے کہتے ہیں۔ آخر ان سے لڑنا پڑا۔ پندرہ دن وہ قلعوں میں گھرے رہے۔ پھر مدینے سے نکل جانے کے لیے تیار ہو گئے۔ چنانچہ انھیں شام کی طرف نکال دیا گیا۔ یہ کل سات سو شخص تھے۔

رمضان اور تحویل قبلہ ۲ھ میں ہی رمضان کے روزے فرض ہوئے۔ اسی سال قبلہ بدلا۔ جب سے نماز فرض ہوئی تھی، مسلمان قدس شریف کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے، جو یہودیوں اور عیسائیوں کا قبلہ تھا۔ ۲ھ میں خدا کا حکم ہوا کہ کعبہ شریف کو قبلہ بنایا جائے، جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا آباد کیا ہوا پاک گھر تھا۔ قدس مدینے سے شمال میں تھا اور کعبہ جنوب میں۔ مدینے میں ایک مسجد اب تک موجود ہے، جس میں نماز ادا کرتے وقت قبلہ بدلا تھا۔ اس مسجد میں دونوں قبلوں کے نشان ہیں، اس وجہ سے اسے مسجد قبلتین کہتے ہیں۔

بیسواں باب

جنگ احد

بدلے کا جوش بدر کا معرکہ قریش کے لیے خدا کی طرف سے بہت بڑا نشان تھا، لیکن ان کی آنکھیں نہ کھلیں۔ بدلہ لینے کا جذبہ ان کے دل میں موجیں مار رہا تھا۔ انھوں نے پہلے سے بہت بڑھ چڑھ کر تیاری کی۔ لوگوں میں جوش پیدا کرنے کے لیے شاعروں کو جگہ جگہ بھیجا، جنھوں نے جادو بیانی کی ہوا سے ہر سمت انتقام کی آگ بھڑکا دی۔ غرض تین ہزار اور ایک روایت کے مطابق پانچ ہزار کا لشکر جمع کیا، جس میں تین ہزار شتر سوار۔ دو سو اسپ سوار اور سات سو زرہ پوش پیادے تھے۔ بعض معزز عورتیں بھی لشکر کے ساتھ آئیں، جن کی موجودگی فوج میں جوش اور استقلال پیدا کرنے کا خاص ذریعہ سمجھی جاتی تھی۔ وہ فوج لے کر مدینے کے قریب پہنچ گئے اور احد پہاڑ کے دامن میں پڑاؤ ڈالا۔

صحابہ سے مشورہ رسول پاک نے صحابہ سے مشورہ کیا۔ تجربہ کار بزرگوں کی رائے یہ تھی کہ عورتوں کو قلعوں میں رکھا جائے اور خود شہر میں بیٹھ کر مقابلہ کیا جائے۔ لیکن نوجوانوں کے دل میں جوش تھا۔ ان کو اصرار تھا کہ باہر نکل کر مقابلہ کیا جائے۔ اس آخری رائے کی حمایت میں وہ لوگ زیادہ سرگرم تھے جو جنگ بدر میں

شریک نہیں ہو سکے تھے اور چاہتے تھے کہ انھیں بھی جاں نثاری کا امتحان دینے کا موقع ملے۔ رسولؐ پاک نے جب دیکھا کہ باہر نکل کر حملہ کرنے کی رائے دینے والے زیادہ ہیں تو اُٹھے اور زرہ پہن کر باہر تشریف لائے۔ اس وقت نوجوانوں کو خیال آیا کہ خود رسولؐ پاک بھی شہر میں بیٹھ کر مقابلہ کرنا چاہتے تھے۔ اور آپ کی مرضی کے خلاف رائے دینا مناسب نہ تھا۔ اب انھوں نے عرض کیا، کہ حضورؐ! آپ جو مناسب سمجھیں حکم دیں۔" فرمایا: "رسولؐ کے لیے یہ زیبا نہیں کہ ہتھیار پہن کر اُتار دے۔"

اس میں اُمت کے لیے یہ سبق تھا کہ جب تک فیصلہ نہ ہو، معاملے کے ہر پہلو پر بحث ہو سکتی ہے، جب ایک مرتبہ فیصلہ کر لیا جائے تو پھر رد و بدل کرنے سے عزم و ارادہ میں کمزوری آتی ہے اور عملی قوت کو نقصان پہنچتا ہے۔

لڑائی کے لیے نکلنا ۱۰۔ شوال ۳ھ (۲۶۔ مارچ ۶۲۵ء) کو جمعہ کے دن نماز جمعہ ادا کر کے آپؐ ایک ہزار صحابہ کے ساتھ شہر سے نکلے۔ عبداللہ ابن ابی پہلے ساتھ ہوا، پھر یہ کہہ کر اپنے تین سو آدمیوں سمیت الگ ہو گیا کہ میری رائے کے مطابق مدینہ میں بیٹھ کر مقابلہ نہیں کیا گیا۔ کم سن لڑکے بدر کی طرح اس جنگ میں بھی پیش پیش تھے۔ رسولؐ پاک نے بعض کو نرمی سے واپس کر دیا۔

میدانِ احد احد کے سامنے مدینے کی جانب وسیع میدان ہے۔ اس میں سے ایک برساتی نالہ گزرتا ہے جس کا پاٹ

بڑا چوڑا ہے لیکن یہ عموماً خشک رہتا ہے۔ اس کے ایک کنارے چھوٹی سی پہاڑی ہے۔ رسولؐ پاک نے اس پہاڑی پر پچاس تیرانداز بیٹھا دیے اور انھیں تاکید کر دی کہ اگر ہمیں فتح بھی حاصل ہو جائے تو اس پہاڑی کو نہ چھوڑنا۔ یہ جگہ اس اعتبار سے بڑی اہم تھی کہ تیراندازوں کے اس مقام پر ہوتے ہوئے اسلامی لشکر پر پیچھے سے حملہ نہیں ہو سکتا تھا۔

لڑائی پہلے اِکا دُکا مقابلہ ہوا۔ پھر عام جنگ شروع ہو گئی حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ اور بعض دوسرے صحابہؓ نے بہادری کے حیرت انگیز کارنامے انجام دیے۔ جدھر نکل جاتے دشمن کی صفیں الٹ کر رکھ دیتے۔ اس اثنا میں وحشی نے ایک برچھا حضرت حمزہؓ پر پھینکا۔ وہ ناف میں لگا اور پار ہو گیا۔ حضرت حمزہؓ لڑکھڑا کر گرے اور شہید ہو گئے۔

مصعبؓ بن عمیر کے ہاتھ میں علم تھا۔ وہ دشمنوں کے نرغے میں آ گئے پیچھے ہٹنا گوارا نہ کیا اور لڑتے رہے۔ داہنا ہاتھ کٹا تو علم بائیں ہاتھ میں اٹھا لیا۔ پھر بایاں بھی کٹ گیا حضرت مصعبؓ نے کٹے ہوئے بازوؤں کو حلقہ بنا کر علم سینے سے لگا لیا۔ پھر ایک دشمن نے برچھا مارا۔ نیزے کی انی سینے میں ٹوٹ کر رہ گئی اور یثرب کا پہلا داعی اسلام جام شہادت پی کر ان پاک لوگوں میں شامل ہو گیا جو مرتے نہیں بلکہ زندہ رہتے ہیں اور خدا کے ہاں سے رزق پاتے ہیں۔

حضرت مصعبؓ کی صورت رسولؐ پاک سے ملتی جلتی تھی۔ لوگوں میں شور مچ گیا کہ رسولؐ پاک شہید ہو گئے۔ اس خبر سے اسلامی فوج میں پریشانی پھیل گئی۔ ادھر تیراندازوں نے اپنی جگہ چھوڑ دی اور

اسلامی لشکر کو عقبی حملے سے بچانے کا بھی کوئی ذریعہ باقی نہ رہا۔ خالد بن ولید اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ اور انھیں لشکرِ قریش میں افسرِ رسالہ کا عہدہ حاصل تھا۔ انھوں نے جب دیکھا کہ مسلمان تیر انداز اپنی جگہ چھوڑ چکے ہیں اور مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ کرنا زیادہ کارگر ہوگا تو کوہ احد کے اوپر سے ہوتے ہوئے پچھلی طرف سے اچانک حملہ کر دیا۔ اس حملے نے مسلمانوں کی جمعیت کو درہم برہم کر کے رکھ دیا۔

جاں نثاری کے نادر نمونے | صحابہؓ نے اس نازک موقع پر جاں نثاری کے جو نمونے پیش کیے .. دنیا بھر کی تاریخ میں یگانہ ہیں۔ سعد بن ربیع زخموں میں پڑے ہوئے دم توڑ رہے تھے۔ لوگوں نے پوچھا کوئی وصیت کرنی ہو تو کر دو۔ فرمایا: رسولِ خداؐ کو میرا سلام پہنچانا اور قوم سے کہنا کہ آپؐ کی راہ میں جانیں نثار کرتے رہیں۔ عمارہ بن زیاد زخموں سے چور تھے۔ جان کنی کی حالت وارد تھی کہ رسولِ پاکؐ پاس پہنچ گئے۔ فرمایا: کوئی آرزو ہو تو کہ دو۔" عمارہ منہ سے کچھ نہ بولے اپنے جسم کو گھسیٹ کر قریب کیا اور سر آپؐ کے پاؤں پر رکھ دیا۔ گویا اس کے سوا کوئی آرزو نہ تھی کہ جان نکلے تو سر آپؐ کے قدموں پر اور آنکھیں آپؐ کے چہرۂ مبارک پر ہوں۔

رسول پاک زخمی ہوگئے | ابو طلحہؓ اعلیٰ درجے کے تیر انداز تھے۔ جنگ احد میں دو تین کمانیں ان کے ہاتھوں میں ٹوٹیں۔ جب افرا تفری پھیلی تو انھوں نے ڈھال رسولِ پاکؐ کے چہرۂ مبارک کے سامنے کر دی اور خود سینہ تان کر آگے کھڑے ہو گئے تاکہ آپؐ پر کوئی وار نہ آنے پائے۔

ایک دشمن آپؐ کے پاس پہنچ گیا اور اس نے وار کیا۔ خود کی دو کڑیاں چہرۂ مبارک میں کھب گئیں۔ ابو دجانہ خود ڈھال بن گئے اور سارے تیر اپنے جسم پر لیتے رہے۔ طلحہؓ نے تلواروں کو ہاتھ پر روکا اور ایک ہاتھ کٹا دیا۔ پتھر بھی برس رہے تھے۔ ایک پتھر سے رسولؐ پاک کی پیشانی زخمی ہو گئی۔ دوسرے سے بازو، تیسرے پتھر سے دندان مبارک ٹوٹ گئے۔ آخر آپؐ پہاڑ کے اوپر چڑھ گئے۔ صحابہ بھی آہستہ آہستہ وہیں جمع ہو گئے۔

لڑائی کا فیصلہ ظاہرا اس لڑائی میں مسلمانوں کو شکست ہوئی لیکن قریش کو آگے بڑھنے اور شہر پہ حملہ کرنے کا حوصلہ نہ ہوا اور وہ وہیں سے پلٹ کر چلے گئے۔ رسولؐ پاک نے زخمیوں کو اُٹھوایا اور شہیدوں کو دفن کرایا۔ حضرت حمزہؓ کی میت دشمن نے بگاڑ دی تھی۔ اُن کی بہن حضرت صفیہؓ دیکھنے کے لیے آئیں تو رسولؐ پاک نے فرمایا کہ انھیں دور روک دو۔ وہ بولیں: "میں سارا حال سُن چکی ہوں، لیکن میرے بھائی کی یہ قربانی خدا کی راہ میں کوئی بڑی قربانی نہیں۔" میت پر پہنچیں تو اناللہ پڑھا اور دُعا کر کے واپس چلی گئیں۔

رسولؐ پاک سے محبت چونکہ مدینہ میں رسولؐ پاک کی شہادت کی خبر اُڑ گئی تھی، اس لیے عورتیں بھی بے تاب ہو کر باہر نکل آئیں۔ ایک انصاری خاتون کا بھائی، شوہر اور باپ تینوں شہید ہو چکے تھے۔ اسے ایک ایک کی شہادت کی خبر سنائی گئی۔ وہ ہر مرتبہ پوچھتی رہی رسولؐ پاک کیسے ہیں؟ جب آپؐ کا جمال جہاں آرا

دیکھا تو بے اختیار ہو کر پکار اُٹھی "آپؐ سلامت ہیں تو دنیا کی ہر مصیبت ہمارے لیے ہیچ ہے۔"

بنو نضیر

یہودی اس جنگ کے دوران میں بھی برابر شرارتیں کرتے رہے۔ جنگ کے بعد رسولؐ پاک نے بنو نضیر اور بنو قریظہ دونوں سے کہا کہ نیا عہد نامہ لکھ دو۔ بنو قریظہ نے نیا عہدنامہ لکھ دیا لیکن بنو نضیر راضی نہ ہوے، اس لیے کہ عبداللہ بن ابی نے انھیں پیغام بھیج دیا تھا کہ بنو قریظہ تمھارا ساتھ دیں گے۔ یہ امید غلط ثابت ہوئی۔ بنو نضیر پھر بھی نہ مانے۔ آخر پندرہ روز تک ان کا محاصرہ جاری رہا۔ پھر انھوں نے اس شرط پر صلح کر لی کہ جتنا مال اسباب لے جا سکیں لے جائیں اور مدینے سے نکل جائیں۔ ان میں سے بڑے بڑے سردار خیبر میں جا کر آباد ہوے۔ وہاں پہنچ کر بھی انکی شرارتیں ختم نہ ہوئیں۔ ان شرارتوں کا ذکر موقع پر آئے گا۔

اکیسواں باب

جنگِ خندق

اسلام کے داعیوں کی شہادت احد کے بعد چھوٹی چھوٹی جنگیں ہوئیں۔ لیکن ہجرت کے چوتھے سال دو نہایت ہی دردناک واقعے پیش آئے، یعنی اسلام کے داعیوں کو بڑی بے دردی سے شہید کیا گیا۔ قریش نے دو قبیلوں کو گانٹھ کر ان کے نمایندوں کو مدینے بھیجا۔ انھوں نے جاکر رسولؐ پاک سے عرض کیا کہ ہم لوگ اسلام قبول کرنے کے لیے تیار ہیں۔ کچھ آدمی ہمارے ساتھ کر دیجیے، جو ہمیں دینِ حق کی تعلیم دیں۔ رسولؐ پاک نے دس صحابہؓ کو ساتھ کر دیا۔ راستے میں ان داعیانِ حق کے ساتھ دغا ہوئی اور دو سو جوان انھیں گرفتار کرنے کے لیے آ گئے۔ آٹھ داعی لڑکر شہید ہوے۔ دو یعنی خبیبؓ بن عدی اور زیدؓ بن دثنہ گرفتار ہو گئے اور انھیں مکے میں غلام بناکر فروخت کر دیا گیا۔ لیکن اس فروخت کا مدعا یہ تھا کہ گرفتار کرنے والوں کو پیسے مل جائیں اور خریدنے والے ان پاک باطن اصحاب کو اپنی مرضی کے مطابق قتل کر دیں۔ زیدؓ کو قتل گاہ میں لائے تو ابوسفیان نے کہا: "اب تو تمھاری آرزو ہوگی، کہ تمھاری جگہ محمدؐ (صلعم) ہوتے اور تم بچ جاتے۔" رسولؐ پاک کے اس سچے فدائی نے جواب دیا: خدا کی قسم مجھے یہ

بھی گوارا نہیں کہ حضورؐ کے پائے مبارک میں کانٹا بھی چبھے اور میری جان بچ جائے۔

خبیبؓ نے شہادت سے پہلے دو رکعت نماز پڑھی بے دردوں نے انھیں سولی پر لٹکا دیا۔ اور نیزوں سے زخمی کرنے لگے۔ انھوں نے اس نازک وقت میں بڑے دردناک شعر کہے۔ آخری دو شعروں کا ترجمہ یہ ہے:

"جب مجھے اسلام کی خاطر قتل کیا جا رہا ہے، تو بخدا مجھے کچھ پروا نہیں کہ کس پہلو پر گرتا ہوں اور کیوں کر جان دیتا ہوں۔ خدا کی ذات چاہے تو مجھے امید ہے کہ گوشت کے ہر ایک ٹکڑے کو برکت عطا فرمائے۔"

اسی طرح نجدیوں نے بدعہدی کی۔ وہ تعلیم کی غرض سے ستر عالموں کو لے گئے تھے، لیکن ان پر اچانک حملہ کر دیا۔ ایک کے سوا سب شہید ہو گئے۔

دشمن گروہوں کا ایکا قریش پہلے ہی سازشوں میں لگے ہوئے تھے۔ یہود میں سے بنو نضیر مدینے سے نکل کر خیبر میں جا بسے تو انھوں نے بھی سازشیں شروع کر دیں۔ تھوڑے ہی دنوں میں قریش اور یہود نے مختلف قبیلوں کو ساتھ ملا کر دس ہزار کا جتھا بنا لیا اور شرق و غرب سے مدینے پر دھاوا بول دیا۔ باہم یہ حالت تھی۔ شہر کے اندر دو گروہ ایسے موجود تھے، جن کے بارے میں کچھ معلوم نہ تھا کہ کیا کریں گے۔ ایک گروہ یہودیوں کا تھا یعنی بنو قریظہ دوسرا گروہ عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں

کا تھا۔ بنو قریظہ نے اگرچہ جنگ احد کے بعد نیا عہدنامہ لکھ دیا تھا لیکن ان کے کسی عہدنامے پر بھروسا نہیں کیا جاسکتا تھا اور عبداللہ بن ابی کی حالت ہی یہ تھی کہ جب اسلام کے دشمن دب جاتے تو مسلمانوں کی خیرخواہی کا دم بھرنے لگتا، جب جوش و خروش سے کھڑے ہو جاتے تو ان کے ساتھ مل جاتا۔

خندق رسولؐ پاک نے صحابہ سے مشورہ کیا کہ اس نئے خطرے کا مقابلہ کیوں کر کیا جائے۔ حملہ آور لشکر اتنا بڑا تھا کہ عرب اس وقت تک اتنا لشکر جمع نہیں کر سکے تھے اور مسلمان تعداد میں بہت کم تھے۔ اس لیے یہی قرار پایا کہ شہر بند ہو کر مقابلہ کیا جائے مدینے کے اردگرد زیادہ بڑے حصے میں کھجوروں کے گھنے باغ تھے جو شہر کی دیواروں کے ساتھ سے شروع ہو جاتے تھے اور دور تک چلے جاتے تھے۔ یہ باغ حفاظت کا ایک مضبوط حلقہ بن گئے تھے۔ ان میں سے گزر کر شہر پر حملہ کرنا مشکل تھا۔ لیکن شمالی سمت پوری کی پوری خالی تھی۔ ادھر حفاظت کے خاص انتظامات ضروری تھے۔ حضرت سلمانؓ فارسی نے رائے دی کہ اس طرف گہری خندق کھودی جائے۔ رسولؐ پاک نے یہ رائے پسند فرمائی چنانچہ مدینے کے شمال مشرق سے لے کر شمال مغرب تک جبل سلع کے آگے ایک لمبی خندق کے لیے نشان لگا دیے گئے۔ تین ہزار فدا کاران اسلام نے بیس دن میں خندق مکمل کر لی۔ یہ پانچ گز گہری اور پانچ گز چوڑی تھی۔ رسولؐ پاک خود اس کے لیے صحابہ کے ساتھ مزدوروں کی طرح کام کرتے تھے۔

خندق عرب میں بالکل نئی چیز تھی اس وجہ سے لڑائی کا نام "جنگِ خندق" مشہور ہوا۔ چونکہ اس میں مختلف گروہوں نے ایکا کرکے حملہ کیا تھا اور گروہ کو عربی میں حزب (جمع احزاب) کہتے ہیں۔ اس وجہ سے لڑائی کا دوسرا نام "جنگ احزاب" پڑا۔

حفاظت کے انتظامات ذو قعدہ [1] ۵ھ کا مہینا تھا۔ دشمن مختلف سمتوں سے ہجوم کرکے مدینے پہنچے تو خندق کو دیکھ کر شش و پنج میں پڑ گئے۔ خندق کو پھاند نہیں سکتے تھے۔ پھاندے بغیر آگے بڑھنے کی کوئی شکل نہ تھی۔ رسولؐ پاک نے جبل سلع کو پشت پر رکھ کر حفاظت کے لیے لشکر کے چھوٹے چھوٹے دستے جگہ جگہ بٹھا دیے۔ عورتوں کو قلعوں میں بھیج دیا اور ایک شخص کو دوسو غازیوں کے ساتھ ان کی حفاظت کے لیے مقرر کر دیا۔ اس لیے کہ بنو قریظہ کی طرف سے غدر کا اندیشہ تھا۔

یہ تمام انتظامات بہ ظاہر اچھے تھے۔ لیکن پورے حالات کا نقشہ سامنے رکھا جائے تو مسلمانوں کی پریشانی کا ٹھیک ٹھیک اندازہ ہو سکتا ہے۔ وہ فوج دروازوں پر موجود تھی جسے اس زمانے کے عرب کی جنگی طاقت کا نچوڑ کہنا چاہیے۔ اور کتنی فوج؟ دس ہزار قریش اور دوسرے گروہ، جو مسلمانوں کے جانی دشمن تھے۔ شہر کے اندر بنو قریظہ بیٹھے تھے، جو تمام حالات سے واقف تھے اور کسی وقت بھی دغا کر سکتے تھے۔ دغا نہ بھی کرتے تو کم سے کم دشمن کو ان

[1] ہجرت کے پانچویں برس کا ذو قعدہ ۲۴۔ مارچ ۶۲۷ء سے شروع ہو کر ۲۲۔ اپریل ۶۲۷ء کو ختم ہوا۔

سے شہر کی پوری خبریں مل سکتی تھیں۔ان کے علاوہ بعض دو دلے لوگ بھی تھے، جو اگرچہ ابتدا میں رسولؐ پاک کی حمایت کا دم بھرتے رہے، لیکن جب حالات کی نزاکت کا اندازہ ہوا تو بہانے بنا کر الگ ہونے لگے۔مسلمانوں کے امتحان کی اس سے زیادہ سخت گھڑی کیا ہو سکتی تھی؟ لیکن خدا کے پاک بندے اس امتحان میں بھی پورے اُترے۔

لڑائی دشمن خندق کے باہر ڈیرے ڈالے پڑے رہے۔اس اثنا میں نامہ و پیام کے ذریعے سے مدینے کے یہودی اور دو دلے لوگوں کو ساتھ ملا لینے کی کوششیں جاری رکھیں۔ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ جنگ احد کے بعد جب بنونضیر مدینے سے نکلے تھے تو خیبر میں جا بسے تھے۔اور جنگ خندق کے لیے تیاری میں انھوں نے قریش کا ساتھ دیا تھا۔بنو نضیر کا سردار حیی بن اخطب بھی موقع پر موجود تھا۔اس نے بنو قریظہ کو ساتھ ملا لیا اور وہ غداری پر اُتر آئے۔حالات کی نزاکت پر نظر رکھو، مسلمان مرد خندق کے پاس خوفناک دشمن کے مقابلے میں بیٹھے ہیں، عورتیں قلعوں میں ہیں۔اس موقع پر بنو قریظہ نے قلعوں پر حملے کی ٹھانی، لیکن ان کی ساری سکیم ناکام رہی اور وہ بدطینتی کے اظہار کے سوا کچھ بھی نہ کر سکے۔ادھر دشمن کے سرداروں نے فیصلہ کیا کہ خندق پر بیٹھے رہنے سے کچھ فائدہ نہیں، ضروری ہے کہ ایک ایک سردار باری باری حملہ کرے۔ لوگ خندق سے پار آ نہیں سکتے تھے، اس لیے باہر ہی سے تیر اور پتھر برساتے تھے۔

ایک جگہ سے خندق کی چوڑائی کم تھی۔ ایک روز دشمن کے چار بڑے بڑے سردار گھوڑے کدا کر اندر پہنچ گئے۔ ان میں سب سے مشہور عمرو بن عبدود تھا جو اکیلا ایک ہزار سپاہیوں کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ حضرت علیؓ نے ایک ہی ضرب سے اسے ٹھنڈا کر دیا۔ پھر دوسرے سردار کو مارا۔ باقی بھاگ گئے۔

بنو قریظہ نے ایک قلعے پر حملہ کیا جہاں عورتیں تھیں۔ ایک یہودی قلعے کے دروازے پر پہنچ گیا۔ رسولؐ پاک کی پھوپھی حضرت صفیہؓ نے خیمے کی چوب اٹھا کر اس کے سر پر اس زور سے ماری کہ سر پھٹ گیا۔ پھر اس کا سر کٹوا کر نیچے پھینک دیا تاکہ دوسرے یہودیوں کو قدم بڑھانے کا حوصلہ نہ رہے۔

حملہ آوروں کی ناکامی دشمن کو کامیابی کی کوئی شکل نظر نہ آئی تو ہمت ہار بیٹھا۔ اتنے بڑے لشکر کے لیے رسد کا انتظام بھی آسان نہ تھا۔ پھر ایک روز اس زور کی آندھی چلی کہ خیموں کی طنابیں ٹوٹ گئیں اور کھانوں کے دیگچے چولھوں پر سے الٹ گئے۔ آخر وہ خود ہی محاصرہ چھوڑ کر چلے گئے۔

یہ مخالف قوتوں کے ایکے کی آخری کوشش تھی، جس میں ناکامی کے بعد پھر ان میں اتحاد پیدا نہ ہو سکا۔ اس سے بڑا لشکر جمع کر لینا بھی دوبارہ ممکن نہ ہوا۔

بنو قریظہ کا فیصلہ بنو قریظہ نے نہایت نازک وقت میں جو مجرمانہ حرکت کی تھی، وہ معاف نہیں ہو سکتی تھی۔ رسولؐ پاک نے جنگ خندق سے فارغ ہوتے ہی ان کی طرف توجہ فرمائی۔ آخر انھوں

نے درخواست پیش کی کہ انصار کے سردار سعدؓ بن معاذ جو فیصلہ کریں گے وہ ہمیں منظور ہوگا۔

سعدؓ بن معاذ جنگ خندق میں زخمی ہو گئے تھے اور رسولؐ پاک نے ان کے لیے مسجد میں خیمہ لگوا دیا تھا، بنو قریظہ نے ان کو ثالث مان لیا تو وہ فیصلے کے لیے بنو قریظہ کے محلے میں پہنچے۔ اور غور و فکر کے بعد تورات کے حکم کے مطابق یہ فرمایا کہ لڑنے والے قتل کیے جائیں اور مال و اسباب کو غنیمت سمجھا جائے۔

حضرت زینبؓ سے نکاح ہجرت کے پانچویں سال رسولؐ پاک نے حضرت زینبؓ سے نکاح کیا جو آپؐ پھوپھی کی لڑکی تھیں حضرت زینبؓ پہلے رسولؐ پاک کے آزاد کیے ہوئے غلام حضرت زیدؓ کے نکاح میں تھیں، جنھیں رسولؐ پاک نے منہ بولا بیٹا بنا لیا تھا۔ یہ نکاح رسولؐ پاک نے ہی کرایا تھا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ خاندانی اونچ نیچ کی بنا وٹی تمیز ختم ہو جائے۔ لیکن زیدؓ اور زینبؓ کی طبیعتیں نہ ملیں اور زیدؓ کے طلاق دے دینے سے دونوں میں جدائی ہوگئی۔ رسولؐ پاک نے زینبؓ کی دلداری کے خیال سے خود نکاح کر لیا۔ اور وہ ام المومنین بن گئیں۔

اس وقت تک عرب منہ بولے بیٹے کو بھی حقیقی بیٹے کی طرح سمجھتے تھے حضرت زینبؓ کے نکاح سے یہ غلط رسم بھی ختم ہوگئی۔

بائیسواں باب

حُدَیبیہ اور بیعت رضوان

بیعت اللہ کی زیارت کا ارادہ | جنگِ خندق نے مخالفوں کا زور توڑ ڈالا تھا۔ وہ جان چکے تھے کہ جب مل کر مسلمانوں کا کچھ نہ بگاڑ سکے تو اکیلے کیا کر سکیں گے۔ اب رسولؐ پاک نے اطمینان کے ساتھ زیارتِ بیت اللہ کی تیاری کی۔ چودہ سو صحابہ ساتھ ہوئے۔ آپؐ ذو قعدہ ۶ھ (مارچ و اپریل ۶۲۸ء) میں مدینہ منوّرہ سے روانہ ہوئے۔ ذوقعدہ اس زمانے میں بھی عزت اور حرمت والے مہینوں میں سمجھا جاتا تھا، جن میں ہر قسم کی روک ٹوک، کشمکش اور لڑائی بھڑائی بند ہو جاتی تھی۔ پھر رسولؐ پاک نے عمرہ کا احرام باندھ لیا تھا، گویا لڑائی کا مطلق خیال نہ تھا۔ لیکن قریش کو پہلے ہی خبر لگ گئی اور انھوں نے رسولؐ پاک کو روکنے کی تیاری کر لی۔ جب آپؐ کو خبر ملی کہ قریش کا ایک دستہ قریب آ پہنچا ہے تو فرمایا کوئی دوسرا راستہ بتاؤ، جس سے بچتے ہوئے نکل جائیں، اس لیے کہ آپؐ لڑنا نہیں چاہتے تھے۔

حدیبیہ میں قیام | حرم کی حد پر ایک مقام کا نام حُدَیبیہ تھا۔ یہ چھوٹی سی بستی تھی جو ایک کنوئیں کی وجہ سے بس گئی تھی اور کنوئیں ہی کی وجہ سے اس کا نام حدیبیہ پڑا تھا۔ آج کل اس کا کچھ

پتہ نہیں چلتا۔ جدّہ سے مکّہ مکرمہ جائیں تو راستے میں شمیسی نام ایک مقام آتا ہے کہتے ہیں حدیبیہ اس کے آس پاس تھا۔ مکّہ مکرمہ سے حدیبیہ کا فاصلہ پُرانی کتابوں میں ایک منزل بتایا گیا ہے۔ اندازہ یہ ہے کہ دس پندرہ میل سے لے کر اٹھارہ انیس میل تک ہوگا۔ بس اس مقام پر پہنچ کر رسولؐ پاک نے پڑاؤ ڈال دیا۔ کنوئیں میں پانی بہت کم تھا۔ آپؐ نے ایک تیر اس میں پھینکا، جس سے اتنا پانی آگیا کہ تمام ساتھی اور ان کے جانور سیراب ہو گئے۔

گفت و شنید آپؐ اس لیے آگے نہ بڑھے کہ قریش لڑنے پر آمادہ تھے۔ اور آپؐ لڑائی نہیں چاہتے تھے قبیلہ خزاعہ اگرچہ مسلمان نہیں ہوا تھا لیکن آپؐ کے ساتھ دوستی کا عہدنامہ کر چکا تھا۔ اس قبیلے کا سردار بُدیل خدمت میں حاضر ہوا۔ رسولؐ پاک نے اسے قریش کے پاس بھیجا کہ ہم صرف عمرہ ادا کرنے کے لیے آئے ہیں، لڑنا نہیں چاہتے۔ بہتر یہ ہے کہ قریش ایک مدت کے لیے صلح کا عہدنامہ کر لیں اور مجھ کو عرب کے ہاتھ میں چھوڑ دیں۔ لیکن اگر وہ اس پر راضی نہ ہوں تو خدا کی قسم اتنا لڑوں گا کہ میری گردن الگ ہو جائے اور خدا کو جو فیصلہ کرنا ہو کر دے۔"

بدیل نے قریش کو یہ پیغام پہنچایا۔ وہاں سے ایک اور سردار بات چیت کے لیے آیا۔ اس نے آپؐ کی ذات بابرکات کے ساتھ صحابہ کی عقیدت اور جان قربان کرنے کی بے تابی کے نظارے دیکھے تو حیران رہ گیا۔ واپس جا کر قریش کو بتایا کہ میں نے

قیصر و کسریٰ کے دربار دیکھے ہیں۔ لیکن محبّت و جان نثاری کی وہ شان کہیں نہیں دیکھی جو محمد (صلعم) کے ساتھیوں میں نظر آئی"۔

بیعت رضوان اس اثنا میں ایک روز قریش کے اسّی آدمیوں نے پاس کے ایک پہاڑ پر چڑھ کر حملہ کرنا چاہا، وہ سب لوگ گرفتار ہو گئے، لیکن رسولؐ پاک نے ان کو معاف فرمادیا اور سب چھوڑ دیئے گئے۔

پھر آپؐ نے حضرت عثمانؓ کو مکّہ مکرمہ بھیجا، کہ قریش سے معاملہ طے کر آئیں۔ وہ گئے تو قریش نے انھیں نظر بند کرلیا۔ ادھر یہ افواہ اُڑ گئی کہ حضرت عثمانؓ شہید کر ڈالے گئے۔ رسولؐ پاک اس وقت ایک درخت کے سایے میں تشریف فرما تھے۔ وہیں سب صحابہ سے جاں نثاری کی بیعت لی۔ اسی کو قرآن پاک میں "بیعت رضوان" کہا گیا ہے۔ یعنی وہ بیعت جو خدا کی رضا اور خوشنودی کا باعث بنی۔ حضرت عثمانؓ موجود نہ تھے۔ رسولؐ پاک نے اپنے ایک دست مبارک کو عثمانؓ کا ہاتھ قرار دے کر ان کی طرف سے بیعت لی۔ جلد ہی معلوم ہو گیا کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کی خبر غلط تھی۔

صلح نامہ پھر قریش نے اپنا نمایندہ بھیجا اور آخر ان شرطوں پر دس برس کے لیے صلح ہو گئی۔

(۱) مسلمان اس سال عمرہ ادا کیے بغیر واپس چلے جائیں۔

(۲) اگلے سال آئیں، لیکن ہتھیار لگا کر نہ آئیں۔ صرف تلواریں ساتھ لے لیں، اور انھیں بھی نیام میں رکھیں۔ تین دن سے زیادہ

قیام نہ کریں۔

(۳) مکے میں جو مسلمان ہیں، ان میں سے کسی کو ساتھ نہ لے جائیں اور مسلمانوں میں سے جو مکے میں ٹھہرنا چاہے، اسے نہ روکیں۔

(۴) مکے والوں میں سے کوئی شخص مدینے چلا جائے گا تو اسے واپس کر دیا جائے گا۔ اور مدینے سے اگر کوئی شخص مکے آجائے گا تو قریش اسے واپس نہ کریں گے۔

(۵) عرب کے قبیلوں کو اختیار ہو گا کہ دونوں فریقوں میں سے جس کے ساتھ چاہیں عہد نامہ کر لیں۔ دوست دار قبیلوں کے حقوق بھی عہد نامے کے اصل فریق جیسے ہوں گے۔

ابو جندل کا واقعہ یہ عہد نامہ ظاہرا مسلمانوں کے خلاف تھا، خصوصاً چوتھی شرط میں تو مسلمانوں کا پہلو بہت دب گیا تھا۔ شرطیں ابھی مکمل بھی نہیں ہوئی تھیں کہ ابو جندلؓ بھاگتے دوڑتے مسلمانوں کے پاس پہنچ گئے۔ وہ مسلمان ہو چکے تھے۔ قریش نے انھیں زنجیریں پہنا کر مارا اور قید کر دیا تھا۔ مار کے نشان ان کے جسم پر موجود تھے۔ وہ زنجیروں سمیت نکل آئے۔ قریش کے نمایندے نے کہا کہ ابو جندلؓ کو واپس کر دو۔ رسول پاکؐ نے فرمایا ابھی تو عہد نامہ لکھا بھی نہیں گیا۔ نمایندے نے کہا اگر یہ منظور نہیں تو ہم صلح نہیں کرتے۔ رسول پاکؐ نے ابو جندلؓ کی واپسی منظور فرمائی اور صلح کا دامن نہ چھوڑا۔ ابو جندلؓ سے فرمایا: صبر و ضبط سے کام لو۔ خدا تمھارے لیے اور دوسرے مظلوموں کے لیے کشایش کی راہ پیدا کر دے گا۔ ہم صلح کر چکے ہیں اور ان لوگوں

سے بدعہدی نہیں کرسکتے۔

ابو جندلؓ کو عہد کی پابندی میں واپس جانا پڑا۔ صحابہ کو اس پر بڑا طیش آیا۔ لیکن رسولؐ پاک کے حکم کے سامنے سب کی گردنیں جھک گئیں۔ وہیں آپؐ نے اور صحابہ نے قربانیاں کیں۔ احرام اتارے اور واپس چلے گئے۔

فتح مبین حدیبیہ کی جس صلح کو ظاہرا مسلمانوں کے لیے باعث ہتک اور قریش کے لیے باعث عزت سمجھا گیا تھا، خدائے پاک نے اسے "فتح مبین" فرمایا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہجرت کے بعد حدیبیہ کا صلح نامہ اسلام کی تاریخ کا دوسرا انقلابی واقعہ تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ رسولؐ پاک لڑائیوں کے خواہاں نہ تھے۔ صرف یہ چاہتے تھے کہ اطمینان سے بیٹھ کر اسلام کا پیغام حق دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچائیں۔ قریش اور یہود کی عداوت نے لڑائیوں پر مجبور کردیا اب صلح کا موقع ملا، تو رسولؐ پاک نے اسے خوشی کے ساتھ قبول فرمالیا، کہ اسلام کی برکات سب پر روشن ہوں۔ لوگ ان برکات سے فائدہ اٹھا کر نیک انسان بن جائیں اور دنیا امن کی جنّت زار بن جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اس صلح کو جو ظاہرا مسلمانوں کے خلاف نظر آتی تھی، "فتح مبین" کہا گیا، اور ساری دنیا نے دیکھ لیا کہ یہ صلح واقعی فتح مبین تھی۔ اس نے تھوڑے ہی دنوں میں عربوں کو اسلام کی طرف مائل کردیا۔ دو برس بعد قریش کی رہی سہی قوّت بھی ٹوٹ گئی۔ مکہ مکرمہ فتح ہوگیا، کعبے کو

بتوں سے پاک کر دیا گیا، وہاں سے ایک خدا کے نام کی منادی شروع ہو گئی۔ یہ سب برکتیں صلح حدیبیہ سے پیدا ہوئیں؟ پھر حدیبیہ سے بڑی اور روشن تر فتح اور کون سی ہو سکتی تھی۔

عہدنامے کی چوتھی شرط عہدنامے کی جس شرط کو قریش نے اپنے لیے فخر و عزت کا سرمایہ سمجھا تھا یعنی یہ کہ ان کا آدمی مدینے سے واپس آنے پر مجبور ہو اور کوئی مسلمان مکے سے واپس نہ جا سکے، وہ شرط خود قریش کے خلاف پڑی۔ جو لوگ مسلمان ہو چکے تھے، مکے میں قریش کے ظلم کب تک سہتے؟ جب انھیں موقع ملتا بھاگ نکلتے۔ مدینے جا نہیں سکتے تھے، اس لیے کہ رسولؐ پاک انھیں واپسی کا حکم دے دیتے۔ اس وجہ سے وہ شام کی تجارتی شاہراہ پر جا بیٹھے۔ اس طرح قریش کے قافلوں کا راستہ مخدوش ہو گیا۔ جو مسلمان مکے میں رہے وہ اپنی اخلاقی فضیلتوں اور پیغامِ حق کی محبت کے باعث اسلام کو ہر دلعزیز بناتے رہے۔ ان حالات میں قریش نے تھوڑی دیر بعد خود ہی کہہ دیا کہ ہم اس شرط سے باز آتے ہیں۔ جو مسلمان مدینے جا کر آباد ہونا چاہے، ہم اجازت دیتے ہیں کہ اطمینان سے جا کر آباد ہو جائے۔ یہ واقعہ بھی صلح حدیبیہ کے فتح مبین ہونے کا ایک روشن ثبوت بن گیا۔

تئیسواں باب

تبلیغِ اسلام

صلح کی برکات رسولؐ پاک کے مخالفوں میں قریش سب سے پیش پیش تھے اور انھیں کی وجہ سے دوسرے لوگوں کو بھی مخالفت کے لیے سہارا مل گیا تھا۔ حدیبیہ میں قریش کے ساتھ صلح ہوگئی تو رسولؐ پاک کو جنگ و قتال کی طرف سے کم از کم عارضی طور پر اطمینان ہوگیا اور آپؐ نے باہر کے ملکوں میں پیغامِ حق پہنچانے کے انتظامات پر توجہ فرمائی۔

یہ بات اچھی طرح ذہن میں بٹھا لینی چاہیئے کہ رسولؐ پاک نے نہ لڑائیاں خود شروع کیں، نہ آپؐ انھیں پسند فرماتے تھے۔ جب قریش کی عداوت کے شعلوں نے تین سو میل کے فاصلے پر بھی چین سے بیٹھنے نہ دیا اور لڑائی کے سوا چارہ نہ رہا تو آپؐ نے بچاؤ کے لیے ہتھیار سنبھالے۔ جونہی قریش صلح کی طرف مائل ہوگئے، رسولؐ پاک نے صلح منظور فرمالی، اس لیے کہ اصل کام لڑنا بھڑنا اور تلوار چلانا نہیں تھا اصل کام یہ تھا کہ دنیا کو ہدایت، نیکی اور خیر و برکت کا راستہ دکھایا جائے۔ حدیبیہ کے عہد نامے نے اس کا موقع پیدا کر دیا تو رسولؐ پاک نے اس موقع سے پورا فایدہ اٹھایا۔

فرمانرواؤں کو پیغامات اس سلسلے میں ایک بہت بڑا کام

یہ تھا کہ فرمانرواؤں اور حاکموں کے سامنے اسلام کو پیش کیا جائے
وہ اسے قبول کر لیتے تو ان کی رعایا میں تبلیغ کا کام بہت سہل
ہو جاتا۔ چنانچہ آپؐ نے حدیبیہ کے بعد جن فرمانرواؤں کے نام
نامہ ہائے مبارک لکھے اور اپنے خاص قاصدوں کے ذریعے
سے یہ نامے بھیجے۔ ان کی کیفیت یہ ہے :

(۱) قیصر روم ، جو عرب کے شمال میں بہت بڑی سلطنت
کا مالک تھا۔

(۲) شاہنشاہ ایران، جو عرب کے مشرق میں فرمانروائی کا
دوسرا تخت بچھائے بیٹھا تھا۔

(۳) نجاشی شاہ حبشہ ، جس کے ساتھ پہلے سے مسلمانوں
کے دوستانہ تعلقات تھے اور جس نے قریش کی شکایتوں کو
ٹھکرا کر مسلمانوں کو اپنے ہاں پناہ دی تھی۔

(۴) حاکم مصر، جو اگرچہ قیصر کے ماتحت تھا لیکن وہ اپنے
علاقے میں خود مختار حاکم کی حیثیت اختیار کیے بیٹھا تھا۔

(۵) شام کا غسانی حاکم جو نسل کے لحاظ سے عرب تھا، لیکن
رومیوں کے زیر اثر آجانے کے باعث ہر لحاظ سے رومی
بن چکا تھا۔

(۶) عرب کے دوسرے رئیس اور سردار۔

ان میں سے قیصر روم، شاہ حبشہ ، حاکم مصر اور حاکم شام
عیسائی تھے۔ شاہنشاہ ایران زرتشتی تھا۔

نجاشی کے رسولِ پاک کا نامہ مبارک | شاہ حبشہ اور شاہ بحرین

پاتے ہی اسلام قبول کر لیا اور حضرت جعفرؓ بن ابی طالب کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی رعایا پر اثر نہ ڈال سکا۔ غالباً اس لیے کہ اس کی مملکت میں پادریوں کا بہت زور تھا۔

رئیس بحرین بھی مسلمان ہو گیا اور اس کی رعایا کے اکثر لوگوں نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ اس کے علاقے میں جو یہودی اور مجوسی رہتے تھے، صرف وہ دین حق کی برکت سے محروم رہے۔

ان کے علاوہ مختلف حاکموں میں سے بعض نے اسلام کی تعلیمات کے بارے میں بات چیت کی، لیکن کوئی مسلمان نہ ہوا۔

حاکم مصر | حاکم مصر نے بھی اسلام قبول نہ کیا، لیکن رسولؐ پاک کے نامۂ مبارک کو ہاتھی دانت کے ڈبے میں بند کرا کے مہر لگوائی اور اسے خزانے میں رکھوا دیا۔ جواب میں جو خط بھیجا اس میں لکھا کہ یہ تو مجھے معلوم تھا کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے، لیکن میں سمجھتا تھا کہ وہ شام میں ظاہر ہو گا۔

اس خط کے ساتھ تحفے بھی بھیجے، جن میں دو معزز لڑکیاں، کچھ کپڑا اور ایک خچر تھا۔ معزز لڑکیوں میں سے ایک ماریہؓ قبطیہ تھیں جو رسولؐ پاک کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؓ کی والدہ تھیں۔ خچر وہی تھا جو دلدل کے نام سے مشہور ہوا اور رسولؐ پاک کی سواری میں رہا۔

قیصر روم | قیصر روم کو نامۂ مبارک ملا تو اس نے کہا کہ کسی

عرب کو بلایا جائے تاکہ رسولؐ پاک کے حالات معلوم ہوں۔ اس زمانے میں ابوسفیان تجارت کی غرض سے شام گئے ہوئے تھے۔ وہ مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ انھیں بلایا گیا اور قیصر کے ساتھ جو گفتگو ہوئی، وہ اس غرض سے یہاں نقل کی جاتی ہے کہ یہ رسولؐ پاک کے متعلق ایک غیر مسلم بلکہ اس وقت تک کے سخت دشمن کی گواہی تھی۔

قیصر نے سب سے پہلے رسولؐ پاک کے خاندان کا حال پوچھا، ابوسفیان نے کہا کہ وہ ہم میں بڑے شریف اور صاحب نسب ہیں۔

قیصر: کیا تم میں سے پہلے بھی کبھی کسی نے ایسا دعوے کیا ہے؟

ابوسفیان: نہیں۔

قیصر: اس رسولؐ کے پیرو زیادہ تر کون ہیں؟ معزز لوگ یا کمزور اور غریب؟

ابوسفیان: کمزور اور غریب۔

قیصر: یہ پیرو بڑھ رہے ہیں یا گھٹ رہے ہیں؟

ابوسفیان: بڑھ رہے ہیں۔

قیصر: اس مذہب میں داخل ہونے کے بعد کوئی اس سے پھرا بھی ہے؟

ابوسفیان: نہیں۔

قیصر: اس نبیؐ نے عہد کر کے کبھی اسے توڑا بھی ہے؟

ابوسفیان: اب تک نہیں توڑا۔

قیصر: وہ کیا سکھاتا ہے؟

ابوسفیان : کہتا ہے کہ ایک خدا کی عبادت کرو، کسی کو اس کا شریک نہ مانو، نماز پڑھو، پاکباز رہو، سچ بولو اور سب کے حقوق کا خیال رکھو۔

قیصر نے کہا پھر اس کے سچا ہونے میں کسی کو کیا کلام ہو سکتا ہے؟ لیکن وہ بھی پادریوں کے خوف کی وجہ سے قبول اسلام کا حوصلہ نہ کر سکا۔

شاہنشاہ ایران ایران کا شاہنشاہ اس زمانے میں خسرو پرویز تھا، جس کی بابت ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ ساسانیوں کی عظمت نے اس کے عہد میں آخری کروٹ لی تھی، پھر وہ ہمیشہ کے لیے گہری نیند سو گئی۔ پرویز کے پاس رسولؐ پاک کا نامۂ مبارک پہنچا، تو ایک دم غصے میں آگیا اور اسے چاک کر ڈالا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس کی سلطنت کے پرزے اُڑ گئے۔

خسرو نے یمن کے گورنر کو لکھا کہ جس شخص نے نبوت کا دعوے کیا ہے، اسے میرے دربار میں بھیجو۔ گورنر نے دو آدمیوں کو رسولؐ پاک کی خدمت میں مدینہ منوّرہ بھیج دیا۔ اس وقت تک پرویز کو اس کے بیٹے نے تخت سے اُتار کر قتل کر ڈالا تھا اور ساسانی عظمت کے اس پیکرِ غرور کا بت ریزہ ریزہ ہو چکا تھا۔

چوبیسواں باب

خیبر اور موتہ کی جنگیں

یہود کی شرارتیں یہود کے ساتھ رسولؐ پاک نے ابتدا ہی سے نہایت درجہ مہربانی اور رواداری کا برتاؤ فرمایا تھا، لیکن ان کی شرارتیں برابر جاری رہیں۔ انھیں شرارتوں کے باعث پہلے بنو قینقاع مدینے سے نکلے، پھر بنو نضیر کو گھر بار چھوڑ کر جانا پڑا۔ ان میں سے اکثر لوگ خیبر میں جاکر آباد ہو گئے تھے، جہاں پہلے سے یہودی رہتے تھے۔ جنگ احزاب میں بھی ان لوگوں نے نمایاں حصّہ لیا تھا۔ اس وقت قریش مسلمانوں کی مخالفت میں سرگرم تھے۔ قریش کے ساتھ صلح ہو گئی تو یہودیوں کی شرارتیں اس وقت بھی نہ رکیں۔ اب انھوں نے بعض پڑوسی عرب قبیلوں کو ساتھ ملا کر مدینے پر حملے کی تیاریاں شروع کر دیں۔

خیبر جب ان تیاریوں کی تصدیق ہو گئی تو رسولؐ پاک نے مناسب سمجھا کہ مدینے میں بیٹھ کر ان کے حملے کا انتظار کرنے کی بجائے خود خیبر پر حملہ کیا جائے۔ چنانچہ آپؐ ہجرت کے ساتویں سال محرم کے مہینے میں (مئی ۶۲۸ء) خیبر تشریف لے گئے۔ فوج کی تعداد ایک ہزار چھ سو تھی۔ جس میں سے دو سو سوار تھے اور باقی پیادے۔

خیبر مدینے کے شمال میں آٹھ منزل پر تھا۔ فاصلہ تقریباً دو سو میل بتایا جاتا ہے۔ یہ نہایت زرخیز خطہ تھا اور یہودیوں نے وہاں مضبوط قلعے بنا لیے تھے، جن کی تعداد آٹھ یا دس بتائی جاتی ہے۔ مرحب یہود خیبر کا بہت بڑا رئیس تھا، اور عرب کے مشہور پہلوانوں میں گنا جاتا تھا۔

لڑائی رسولؐ پاک رات کے وقت خیبر کے پاس پہنچے۔ اور فوج کا پڑاؤ ایسی جگہ ڈالا جو خیبر اور قبیلہ غطفان کے مقام کے درمیان تھی اس طرح دونوں میں میل جول کا سلسلہ کاٹ دیا۔ لڑائی شروع ہوئی تو یہودیوں کے قلعے ایک ایک کر کے فتح ہونے لگے۔ قموص نام قلعے کے فتح ہونے میں بہت دیر لگی۔ یہ بہت مضبوط تھا، اور مرحب اسی میں رہتا تھا۔ ایک دن شام کو رسولؐ پاک نے فرمایا کہ "کل صبح میں اس شخص کو جھنڈا دوں گا جس کے ہاتھ پر خدا فتح عطا کرے گا۔ وہ خدا و رسولؐ کو چاہتا ہے، خدا و رسولؐ اسے چاہتے ہیں۔" رات تمام صحابہ نے بے چینی میں گزاری کہ دیکھیں فخر کا یہ طرہ کس کے سر پر بندھے۔ صبح ہوئی تو رسولؐ پاک نے حضرت علیؓ کو یاد فرمایا۔ حضرت علیؓ کی آنکھیں دکھ رہی تھیں اور کسی کو خیال بھی نہ تھا کہ انھیں یاد فرمایا جائے گا۔ رسول پاک نے شیرِ خدا کی آنکھوں پر لعاب دہن لگایا اور جھنڈا عطا کر کے دعا فرمائی۔ حضرت علیؓ نے عرض کیا "یہود کو لڑ کر مسلمان بنا لوں"؟ فرمایا: "نرمی سے ان پر اسلام پیش کرو اگر ایک شخص بھی تمھاری ہدایت سے اسلام لائے تو یہ بڑی سے

بڑی نعمت سے بہتر ہے۔

مرحب کا قتل حضرت علیؓ قلعے پر بڑھے۔ یہودی نہ اسلام قبول کرنے پر راضی ہو سکتے تھے اور نہ صلح پر آمادہ ہوئے۔ اس لیے لڑائی کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ مرحب بڑے فخر کے ساتھ مقابلے کے لیے نکلا۔ اس کے سر پر پتھر کا خود تھا۔ حضرت علیؓ نے اس زور سے تلوار ماری کہ خود اور سر کو کاٹتی ہوئی دانتوں تک اُتر گئی۔ اس ایک ہی ضرب نے مرحب کو ہمیشہ کے لیے موت کی نیند سُلا دیا۔ اس کے ساتھ ہی قلعہ فتح ہو گیا اور یہودیوں کے لیے گردن اطاعت جُھکا دینے کے سوا کوئی راستہ نہ رہا۔

عمرہ ہجرت کے ساتویں برس خیبر فتح ہوا۔ اسی سال رسولؐ پاک نے صحابہؓ کے ساتھ عمرہ ادا کیا۔ جس کا فیصلہ حدیبیہ کے عہد نامے میں ہو چکا تھا۔ سات برس کے بعد مسلمان مکہ معظمہ پہنچے تھے اور حرم پاک کو دیکھا تھا۔ رسولؐ پاک لبیک کہتے ہوئے حرم کی طرف بڑھے۔ عبداللہؓ بن رواحہ اونٹ کی مہار تھامے ہوئے تھے۔ قریش نے اجازت تو دے دی تھی لیکن صحابہ کی آمد کو دیکھ نہ سکے اور پہاڑوں پر چلے گئے۔ رسولؐ پاک عہد نامے کے مطابق تین دن مکہ مکرمہ میں رہے، پھر واپس تشریف لے گئے۔

جنگ موتہ جمادی الاولےٰ ۸ھ (ستمبر ۶۲۹ء) میں جنگ موتہ پیش آئی۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ رسولؐ پاک نے بصرے (شام) کے حاکم کے پاس دعوت اسلام کا خط بھیجا تھا۔ حارثؓ بن عمیر یہ خط لے کر گئے۔ حاکم بصرے نے غصّے میں حارث کو شہید

کر ڈالا۔ سفیر کا قتل تمام بین الاقوامی اصول کے سراسر خلاف تھا۔
رسولِ پاک کو اس خونِ ناحق کا بدلہ لینے کے لیے فوج بھیجنی پڑی۔
اس فوج میں تین ہزار جانباز تھے۔ زیدؓ بن حارثؓ رسولِ پاک
کا آزاد کیا ہوا غلام) کو اس کا کمانڈر بنایا اور فرمایا کہ اگر زیدؓ شہید
ہو جائے تو جعفرؓ بن ابی طالب اور وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ
بن رواحہ سردار بنیں۔

مسلمانوں کی شان قربانی | موتہ پہلے شام کے علاقہ میں تھا۔
آج کل مشرق اردن میں بحیرۂ لوط کے مشرقی ساحل کے قریب
ہے۔ حاکم بصرے عیسائی تھا اور قیصر روم کے ماتحت تھا۔ اسے
مسلمانوں کی فوج کشی کی خبریں ملیں تو قیصر سے کہہ کر مقابلے کے
لیے ایک لاکھ فوج جمع کر لی۔ زیدؓ چاہتے تھے کہ دشمن فوج کی کثرت
کا حال رسولِ پاک کی خدمت میں لکھ بھیجیں اور حکم کا انتظار کریں،
لیکن عبداللہ بن رواحہ نے کہا، ہمارا اصل مقصد فتح نہیں بلکہ شہادت
ہے، لہٰذا لڑنا چاہیے۔ لڑائی شروع ہوئی۔ ایک لاکھ کے مقابلے
میں تین ہزار کی کیا حیثیت تھی؟ لیکن مسلمان اس مردانگی اور شجاعت
سے لڑے کہ دشمن کی فوج کے چھکے چھوٹ گئے۔ زیدؓ بن حارثہ
برچھیاں کھا کر شہید ہوئے۔ پھر جعفرؓ نے سردار فوج کی حیثیت
میں علم کو سنبھالا۔ ان کا دہنا ہاتھ کٹ گیا تو علم بائیں ہاتھ میں
لے لیا، یہ بھی کٹ گیا تو علم کو پھر بھی گرنے نہ دیا یہاں تک کہ
شہید ہو گئے۔ شہادت کے بعد ان کے زخم گنے گئے تو نوّے
نکلے۔ لیکن سب زخم جسم کے اگلے حصے میں تھے، پیچھے کی طرف کوئی

زخم نہ تھا۔ ان کی عمر صرف بتیس برس کی تھی۔ رسولؐ پاک کو اپنے اس چچیرے بھائی سے بڑی محبت تھی۔

پھر عبداللہ بن رواحہ سردار بنے۔ وہ بھی مردانگی سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ آخر خالدؓ بن ولید کو سپہ سالار بنایا گیا۔ ان کے ہاتھ میں یکے بعد دیگرے نو تلواریں ٹوٹیں۔

لڑائی کا نتیجہ | دشمنوں نے مسلمانوں کے چھوٹے سے لشکر کی یہ شجاعت دیکھی تو ان پر ہراس طاری ہو گیا۔ چنانچہ وہ میدان چھوڑ کر چلے گئے۔ مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی، اس لیے دشمن کا پیچھا نہ کر سکے اور واپس آ گئے۔ بخاری کی روایت سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو فتح ہوئی لیکن یہ فتح اس وجہ سے فیصلہ کن نہ بن سکی کہ مسلمانوں نے دشمن کا پیچھا نہ کیا۔ خالدؓ حدیبیہ کے بعد مسلمان ہو گئے تھے۔ موتہ کی جنگ میں اس مردانگی سے لڑے کہ یکے بعد دیگرے نو تلواریں ان کے ہاتھ میں ٹوٹیں۔ خدا کی راہ میں اسی جانبازی کی بدولت انھیں رسولؐ پاک کی بارگاہ سے سیف اللہ (خدا کی تلوار) کا لقب ملا، جو اس وقت تک لوگوں کی زبان پر رہے گا جب تک دنیا باقی ہے۔

پچیسواں باب

فتح مکہ

قریش کی بدعہدی | حدیبیہ کے عہدنامے میں یہ شرط بھی طے ہو چکی تھی کہ عرب کے قبیلوں میں سے جو قبیلہ چاہے قریش کا حلیف بن جائے، جو چاہے مسلمانوں کے ساتھ دوستی کا عہد باندھ لے۔ ہر حلیف اور دوست کے ساتھ عہد نامے کے فریقوں کا سا برتاؤ کیا جائے گا۔ چنانچہ قبیلہ خزاعہ رسولؐ پاک کا حلیف بن گیا تھا۔ اس کا مقابلہ بنو بکر سے رہتا تھا اور بنو بکر قریش کے ساتھ مل گئے تھے۔ اچانک بنو بکر نے خزاعہ پر حملہ کر دیا۔ قریش مکہ کا فرض تھا کہ وہ بنو بکر کو روکتے، اس لیے کہ بنو خزاعہ مسلمانوں کے دوست تھے۔ اس وجہ سے قریش کے لیے بھی ان کے ساتھ دوستوں کا سا برتاؤ ضروری تھا۔ انھوں نے روکنے کے بجائے بنو بکر کو مدد دی۔ بنو خزاعہ نے مجبور ہو کر حرم میں پناہ لی، جہاں کسی کو قتل نہیں کیا جا سکتا تھا لیکن بنو بکر نے حرم کی عزت کا بھی لحاظ نہ کیا اور اس پاک جگہ میں خزاعہ کا خون بہایا۔ یہ سب کچھ قریش کی آنکھوں کے سامنے ہوا اور ان کی مدد سے ہوا۔

رسولؐ پاک کا ارشاد | یہ دوہری بدعہدی تھی۔ اول یہ کہ قریش

کے ایک حلیف قبیلے نے رسول پاکؐ کے حلیف قبیلے پر حملہ کیا، حالانکہ بنو بکر کو حدیبیہ کے عہد نامے کے مطابق ایسا کوئی قدم اٹھانے کا حق نہ تھا۔ دوسرے قریش نے بنو بکر کو مدد دی، حالانکہ انھیں بنو بکر کو روکنا چاہیے تھا اور حرم کی حرمت کا خیال نہ رکھنا تو بہت ہی افسوس ناک تھا۔ رسول پاکؐ نے یہ سُنا تو آپؐ کو بڑا رنج ہوا، تاہم قریش کے پاس قاصد بھیجا اور فرمایا کہ تین صورتیں جا کر پیش کرو۔ قریش ان میں سے جو صورت چاہیں منظور کر لیں۔

(۱) جو لوگ قتل ہوئے، ان کا خوں بہا دیا جائے۔

(۲) قریش بنو بکر کی حمایت سے ہاتھ اٹھا لیں۔

(۳) اعلان کر دیا جائے کہ حدیبیہ کا صلح نامہ ٹوٹ گیا۔

قریش نے صرف تیسری صورت منظور کی اور رسول پاکؐ کو اپنے مظلوم حلیفوں کی مدد کے لیے تیار ہونا پڑا، جن کو سارا نقصان اس وجہ سے پہنچایا گیا تھا کہ وہ مسلمانوں کے دوست تھے۔

مکے کی طرف روانگی رسول پاکؐ ۱۰۔ رمضان ۸ھ (یکم جنوری ۶۳۰ء) کو مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے۔ دس ہزار جانباز رکاب میں تھے۔ راستے میں بھی لوگ آ آ کر ملتے جاتے تھے۔ جب مکہ مکرمہ ایک منزل سے بھی کم فاصلے پر رہ گیا تو پڑاؤ ڈال دیا۔ رات کے وقت غازیان اسلام نے آگ[1]

[1] سیرت کی کتابوں میں ہے کہ پڑاؤ "مرالظہران" میں ڈالا تھا اس مقام کو آج کل وادی فاطمہ کہتے ہیں۔ مکہ مکرمہ سے اونٹوں پر مدینہ منورہ جائیں تو پہلی منزل یہیں ہوتی ہے۔

جلائی تو دُور دُور تک چراغاں کا نقشہ پیدا ہو گیا۔

ابوسفیان نے کئی برس دشمنی اور مخالفت میں بسر کر دیے تھے، اُس نے بارہا قریش کو اُبھار کر مدینے پر چڑھائی کی تھی یہودیوں اور منافقوں کو ساتھ ملا کر سازشیں کی تھیں۔ اب صلح کا ایلچی بن کر بارگاہ نبویؐ میں آیا، تو خدمت میں حاضر ہوتے ہی اسلام قبول کر لیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسے بہت پہلے احساس ہو چکا تھا کہ جو راستہ میں نے اختیار کیا وہ غلط تھا۔ صلح حدیبیہ کے بعد قیصر روم کے ساتھ اس کی جس گفتگو کا حال ہم اوپر درج کر چکے ہیں، اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ جنگ احد کے سپہ سالار قریش کی گفتگو نہ تھی، بلکہ ایسے شخص کی گفتگو تھی، جس کے دل کی حالت بدل رہی تھی۔ اسلام قبول کرتے ہی اس کے سارے جرموں کے دھبے عفو کے پانی سے دُھل گئے۔

رسولؐ پاک کی ہدایات

اگلے روز رسولؐ پاک نے حکم دیا کہ اسلامی فوج مختلف راستوں سے مکہ مکرمہ میں داخل ہو۔ آپ نہیں چاہتے تھے کہ خون کا ایک قطرہ بھی بہے۔ فوج کے ایک علمدار نے چلتے چلتے جوش میں کہہ دیا کہ "آج گھمسان کی لڑائی کا دن ہے اور کعبے کی حرمت حلال کر دی جائے گی"۔ رسولِ پاکؐ نے اس کے ہاتھ سے علم لے کر اس کے بیٹے کے حوالے کر دیا۔ ساتھ ہی ارشاد ہوا:

(۱) جو شخص ہتھیار پھینک دے، اسے قتل نہ کیا جائے۔
(۲) جو شخص خانہ کعبہ میں پہنچ جائے، اسے قتل نہ کیا جائے۔

(۳) جو شخص گھر کے اندر بیٹھا رہے، اسے قتل نہ کیا جائے۔
(۴) جو شخص ابو سفیان یا حکیم بن حزام (حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے) کے گھر جا رہے، اسے قتل نہ کیا جائے۔
(۵) بھاگ جانے والے کا پیچھا نہ کیا جائے۔
(۶) زخمی یا اسیر کو قتل نہ کیا جائے۔

شہر میں داخلہ فوج کے تمام دستوں میں سے صرف اس دستے کو ہلکی سی جھڑپ پیش آئی، جو حضرت خالدؓ کے ماتحت تھا۔ خدا کا برگزیدہ رسولؐ شہر میں داخل ہوا تو اونٹ پر سوار تھا، ساتھ زیدؓ بن حارثہ (آزاد کردہ غلام) کے فرزند اسامہؓ کو بٹھایا ہوا تھا، سر جھکا ہوا تھا، سورہ فتح کی تلاوت جاری تھی۔ سب سے پہلے کعبے میں جا کر اسے بتوں سے پاک کیا۔ رسولؐ پاک کے دست مبارک میں کمان تھی اس کے گوشے سے ٹھوکے دے دے کر ایک ایک بت کو گراتے جاتے۔ اور جاء الحق وزہق الباطل (حق آیا اور باطل ختم ہو گیا) پڑھتے جاتے تھے۔ پھر عثمان بن طلحہ کو بلایا جس کے خاندان میں مدت سے کعبے کی کنجیاں تھیں اور کنجیاں اس کے حوالے کر دیں۔ ساتھ ہی فرمایا: آج حسن سلوک اور ایفاء عہد کا دن ہے۔"

اللہ اکبر! کتنے فاتح ہیں جنھیں عین فتح کی تازگی کی حالت میں حسن سلوک اور ایفاء عہد کا خیال بھی رہا۔ ایسے موقعوں پر سب سے بڑا کارنامہ یہی سمجھا گیا ہے کہ فاتح نے زیادہ سختیاں نہ کیں۔

نبوت کے آغاز میں ایک مرتبہ رسولؐ پاک نے اس عثمان سے فرمایا تھا کہ خانہ کعبہ کو کھول دے تاکہ نماز پڑھ لوں، اس نے

انکار کر دیا تھا۔ اس وقت آپؐ نے فرمایا تھا کہ ایک دن یہ کنجیاں میرے ہاتھ میں ہوں گی، جسے چاہوں گا، دوں گا۔"

جب یہ کنجیاں آپؐ کے ہاتھ آئیں تو اسی کو دے دیں جن کے پاس پہلے تھیں۔ رسولِ پاک دنیا میں اس لیے آئے تھے کہ خلقِ خدا کو نیکی اور پاکیزگی کا طریقہ سکھائیں، ان میں باہم اخلاص و مروّت پیدا کریں، ان کو ایک دوسرے کے ساتھ حسنِ سلوک، عفو و نوازش اور لطف و محبت کی تعلیم دیں۔ اس لیے نہیں آئے تھے کہ جن لوگوں نے حضورؐ کو دکھ پہنچائے تھے ان سے بدلے لیں۔ چنانچہ جن جن سے حضورؐ کو دکھ پہنچے تھے، وقت آیا تو ان سب کے دامن احسان و کرم کے پھولوں سے بھر دیے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

فتح کا خطبہ پھر رسولِ پاک نے سب اہلِ مکہ کو جمع کیا اور فرمایا:

ایک خدا کے سوا کوئی خدا نہیں۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ اپنے بندے کی مدد کی اور مخالفوں کے تمام منصوبوں کو اکیلے توڑ کر رکھ دیا۔ ہاں سن لو۔ فخر کی تمام باتیں، مال اور خون کے سارے دعوے میرے قدموں کے نیچے ہیں۔ (یعنی انھیں مٹاتا ہوں)۔

اے قریش خدا نے جاہلیت کا غرور اور نسب کا فخر مٹا دیا۔ سارے لوگ آدمؑ کی اولاد ہیں اور آدمؑ مٹی سے بنے تھے۔

اس کے بعد ایک آیت تلاوت فرمائی جس کا مطلب یہ تھا کہ خدا نے خاندان اور قبیلے پہچان کی غرض سے بنائے۔ اللہ کے نزدیک زیادہ عزت کا مستحق وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔

عفوِ عام خطبے کے آخر میں فرمایا:

جانتے ہو آج میں تم سے کیا معاملہ کرنے والا ہوں؟

وہ خوف زدہ اور پریشان تو تھے ہی، اس لیے کہ اکیس برس تک دن رات کا ایک ایک لمحہ خدا کے برگزیدہ رسولؐ اور آپؐ کے فداکار ساتھیوں کو دکھ دینے بلکہ تباہ و برباد کرنے میں صرف کر چکے تھے۔ اب انھیں اپنے قومی دستور کے مطابق عفو کی کیا امید ہو سکتی تھی؟ سہمے سہمے بولے۔

"آپؐ صاحب کرم بھائی ہیں اور صاحب کرم بھائی کے فرزند ہیں"

حضورؐ نے فرمایا:

جاؤ، آج تم پر کچھ الزام نہیں، تم سب آزاد ہو۔

تاریخ کے سارے دفتر کھنگال ڈالو، اس عفو و رحمت کی ایک بھی مثال نہیں ملے گی۔ اور یہ معافی کن لوگوں کو دی گئی؟ انھیں، جن میں سے ایک ایک کی تلواروں، برچھیوں اور تیروں کے نشان صحابہؓ کے پاک جسموں پر دائمی یادگار بنے ہوئے تھے لیکن رحمتِ عالم دنیا میں بدلہ لینے کے لیے نہیں، صرف رحمت اور عفو و کرم کے موتی برسانے کے لیے آئے تھے۔

ایک عیسائی مورخ نے بھی اعتراف کیا ہے کہ زمانہ قدیم

کی تاریخ میں ایسی مثال نہیں ملتی کہ کوئی فاتح امن و صلح اور عفو و درگزر کی اس شان سے کسی شہر میں داخل ہوا ہو۔ سوال یہ ہے کہ زمانہ جدید کی تاریخ میں ایسی کون سی مثال مل سکتی ہے؟

فتح مکہ کے نتائج | مکہ مکرمہ قریش ہی کا نہیں سارے عرب کا مرکز تھا۔ اس کی فتح نے سب کی آنکھیں کھول دیں اور ان کے دل اسلام کی طرف مائل ہو گئے۔ رسولؐ پاک کے الفاظ مبارک ہیں مخالفت کے سارے منصوبے ٹوٹ گئے، خدا کا وعدہ پورا ہو گیا۔ اسلام کا پرچم کعبے کے اُوپر اڑنے لگا۔ تو سب اس کے نیچے آنے لگے۔ جو قبیلے اب تک قریش کے ساتھ تعلق یا ان کے خوف سے سوچ بچار میں پڑے ہوئے تھے۔ وہ بھی اب ایک فیصلے پر پہنچ گئے۔ مکے کی فتح نے سارے عرب کو اسلام کا حلقہ بگوش بنانے کا دروازہ کھول دیا اور عرب سے اسلام کے دریائے رحمت کی لہریں جوش مارتی ہوئی نکلیں، تو کرہ ارض کے گوشے گوشے کی سیرابی کے انتظامات ہو گئے۔

چھبیسواں باب

جنگ حنین اور محاصرہ طائف

ہوازن و ثقیف مکے کے مشرق میں ہوازن اور ثقیف کے قبیلے بڑے جنگجو، خود سر اور طاقت ور تھے۔ ثقیف کو طائف میں حکمرانی کا منصب حاصل تھا، ہوازن مکے اور طائف کے درمیان رہتے تھے۔ پہلے سے قریش کے ساتھ مل کر مسلمانوں کو شکست دینے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ مکہ فتح ہو گیا تو انھوں نے سوچا کہ اب اگر مسلمانوں کی طاقت کو توڑ ڈالیں گے تو اہل مکہ کے تمام باغات اور جائیدادیں، جو طائف میں ہیں، انھیں مل جائیں گی۔ رسول پاکؐ کو مکہ مکرمہ میں ٹھہرے ہوئے پندرہ دن گزرے تھے کہ ہوازن و ثقیف نے فوج لے کر مکے کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔

جنگ حنین رسول پاکؐ کو یہ خبر ملی تو آپؐ بھی بارہ ہزار سپاہ لے کر نکلے، دس ہزار وہ جانباز تھے جو آپؐ کے ساتھ مکے آئے تھے، دو ہزار نئے آدمی تھے۔

ہوازن و ثقیف نے حنین کی حدود میں پڑاؤ ڈالا، اور اسلامی لشکر کی گزرگاہ میں ایک تنگ اور دشوار گزار درے پر جگہ جگہ تیر انداز گھات میں بٹھا دیے۔ جونہی اسلامی لشکر

تیراندازوں کی زد میں پہنچا اور تیروں کی بارش شروع ہو گئی۔ لوگ بکھرنے پر مجبور ہو گئے۔ آخر رسولؐ پاک نے حضرت عباسؓ کو حکم دیا کہ مہاجرین و انصار کو پکارو۔ انھوں نے بلند آواز سے کہا: اے گروہِ انصار، اے "درخت کے نیچے بیعت کرنے والو" (بیعت الرضوان) یہ آواز سنتے ہی سب پلٹ کر جمع ہو گئے۔ جن کے گھوڑے گھمسان میں مڑ نہ سکے، وہ گھوڑوں سے کود پڑے۔ اسلامی فوج نے جمع ہو کر یورش کی تو دشمنوں نے میدان چھوڑ دیا۔ اکثر بھاگ کر طائف یا اوطاس کی گھاٹی میں جا چھپے۔ جو بھاگ نہ سکے وہ قید ہو گئے۔

رسولؐ پاک کی دودھ بہن اسیروں میں رسولؐ پاک کی دودھ بہن (یعنی حلیمہؓ سعدیہ کی بیٹی) شیما بھی تھیں، انھوں نے خود گرفتار کرنے والوں سے کہا کہ میں تمھارے رسولؐ کی بہن ہوں۔ لوگ شیما کو رسولؐ پاک کی خدمت میں لائے۔ آپؐ نے پہچان لیا۔ محبت کے جوش میں آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اپنی چادر شیما کے لیے بچھائی۔ کچھ اونٹ اور بکریاں انھیں دیں۔ پھر فرمایا: "جی چاہے میرے گھر چل کر رہو، اپنے گھر جانا چاہو تو وہاں پہنچا دیا جائے" شیما نے واپس جانا چاہا۔ رسولؐ پاک کے حکم کے مطابق انھیں عزت و احترام سے پہنچا دیا گیا۔

دشمنوں کا تعاقب چونکہ دشمن دو حصوں میں بٹ گئے تھے۔ اس لیے رسولؐ پاک نے دونوں کا پیچھا کیا۔ خود فوج

کے ایک حصّے کے ساتھ طائف کا محاصرہ کرلیا۔ اور دوسرے حصّے کو اوطاس کی طرف بھیج دیا۔ اوطاس کا حملہ کامیاب رہا۔ اور بہت سا مال غنیمت ہاتھ آیا۔ یعنی چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار بکریاں، چار ہزار تولے چاندی۔ اس کے علاوہ چھ ہزار عورتیں اور بچے اسیر ہوئے۔

یہ خبر طائف میں رسولؐ پاک کو ملی تو آپؐ نے محاصرہ اٹھا لینے کا حکم دے دیا۔ اس لیے کہ عورتوں اور بچوں کی گرفتاری اور مال و متاع کے چھین جانے سے دشمن پر جو ضرب لگ چکی تھی، وہ اسے سیدھے راستے پر لانے کے لیے کافی تھی۔

شانِ رحمت رسولؐ پاک قریب ہی ٹھہرے ہوئے تھے کہ ہوازن قبیلے کے سرداروں نے خدمت میں حاضر ہو کر رحم کی درخواست کی۔ آپؐ نے فرمایا کل صبح نماز کے بعد آنا، اور سارے لوگوں کے سامنے یہ درخواست پیش کرنا۔ دوسرے دن وہ آئے اور اپنی درخواست دہرائی۔ رحمتِ عالمؐ نے فرمایا: "میں اپنے اور اپنے خاندان کے قیدیوں کو معاوضہ لیے بغیر چھوڑتا ہوں۔" مہاجرین و انصار نے یہ سنا تو کہا کہ ہم بھی قیدیوں کو چھوڑتے ہیں۔ اس طرح بہت سے قیدی رہا ہو گئے۔ لیکن جو لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے تھے اور اسلام ابھی ان کے دلوں میں نہیں اترا تھا، ان کو یہ بات بڑی عجیب معلوم ہوئی۔ انھوں نے اپنے قیدی رہا نہ کیے۔ ایک ایک قیدی کا فدیہ چھ چھ اونٹ مقرر تھا۔ رسولؐ پاک نے

یہ فدیہ اپنے پاس سے ادا کر کے سارے قیدی رہا کرا دیے۔ پھر ہر قیدی کو اپنے پاس سے لباس دے کر رخصت فرمایا۔

دعا یاد کرو رسولؐ پاک اِس سے گیارہ برس پہلے پیغام حق پہنچانے کے لیے طائف آئے تھے تو لوگوں نے کس قدر بے دردی کا برتاؤ کیا تھا۔ اس وقت بھی آپ نے یہی فرمایا تھا کہ مجھے امید ہے انھیں میں سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے، جو صرف ایک خدا کی عبادت کریں گے۔ طائف کے محاصرے میں بھی بعض صحابہ نے عرض کیا کہ حضورؐ ان لوگوں کے لیے بد دعا فرمائیں۔ آپؐ نے ہاتھ اٹھائے اور فرمایا: "اے خدا ثقیف والوں کو ہدایت دے، اسید ھا راستہ دکھا اور توفیق عطا کر کہ میرے پاس آئیں۔"

رحمت عالم سراپا عفو و بخشش تھے، ان کے پاس سب کے لیے نیکی اور بھلائی کی دعائیں تھیں۔ بد دعا جانی دشمنوں کے لیے بھی نہ تھی۔

مال غنیمت کی تقسیم رسولؐ پاک نے مال غنیمت تقسیم فرمایا تو ان لوگوں کو تالیف قلب کی غرض سے زیادہ مال دیا جو نئے نئے مسلمان ہوئے تھے۔ بعض اصحاب کو اس پر تعجب ہوا اور یہ تعجب کسی کسی کی زبان پر بھی آگیا۔ رسولؐ پاک نے سنا تو انصار کو جمع فرمایا اور پوچھا کیا یہ سچ ہے کہ تم میں سے بعض نے شکایت کی؟ انھوں نے عرض کیا: "سچ ہے لیکن یہ چند نو خیز نوجوانوں کی حرکت ہے۔"

خطبہ

آپؐ نے فرمایا:

"انصار! کیا یہ سچ نہیں کہ تم پہلے گمراہ تھے اور خدا نے میرے ذریعہ سے تم کو ہدایت دی؟ تم منتشر اور پراگندہ تھے خدا نے میرے ذریعے سے تم میں اتفاق پیدا کیا؟ تم مفلس تھے، خدا نے میرے ذریعے سے تمھیں دولت مند کیا؟

انصار ایک ایک فقرے پر عرض کرتے کہ خدا اور رسولؐ کا احسان سب سے بڑھ کر ہے۔"

آپؐ نے فرمایا:

"نہیں تم یہ جواب دو کہ اے محمدؐ تجھ کو جب لوگوں نے جھٹلایا تو ہم نے تیری تصدیق کی، تجھ کو جب لوگوں نے چھوڑ دیا، تو ہم نے پناہ دی۔ تو مفلس آیا تھا، ہم نے تیری مدد کی۔ تم یہ جواب دو اور میں کہوں گا کہ تم سچ کہتے ہو۔" لیکن اے انصار؟ کیا تمھیں یہ پسند نہیں کہ لوگ اونٹ اور بکریاں لے کر جائیں اور تم محمدؐ کو لے کر اپنے گھروں کو جاؤ۔"

صرف رسولؐ خدا

یہ سنتے ہی انصار چیخ اٹھے کہ ہم کو صرف محمدؐ درکار ہیں۔ بعض کا یہ حال ہوا کہ روتے روتے ان کی داڑھیاں تر ہوگئیں۔

خطبے کے بعد آپؐ نے یہ بھی سمجھا دیا کہ یہ لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے ہیں، ان کو جو کچھ دیا گیا ہے، وہ حق کی بنا پر

نہیں دیا گیا غرض صرف یہ ہے کہ ان کے دل جم جائیں یعنی صرف تالیف قلب منظور ہے۔

جنگ حنین کی اہمیت حنین کی جنگ عربوں کے ساتھ رسول پاک کی آخری جنگ تھی۔ جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں مکہ فتح ہوتے ہی نہ صرف قریش بلکہ سارے عرب کا زور ٹوٹ چکا تھا۔ جنگ حنین نے سرکشی کے آخری شعلے بھی بجھا دیے۔ اس کے بعد عربوں کے ساتھ کوئی جنگ نہ ہوئی اور لوگ گروہ در گروہ اسلام میں داخل ہونے لگے۔

سنتالیسواں باب
سفرِ تبوک

تمہید دعوتِ اسلام کے آغاز سے جنگ حنین تک ہم نے جو حالات بیان کیے، ان سے یہ بات خوب واضح ہو چکی ہے۔ کہ پیغام حق کی مخالفت میں سب سے بڑھ کر جوش و خروش دو گروہوں نے ظاہر کیا: ایک مکے کے قریش اور ان کے ساتھی قبیلے، دوم یہودی جن کے طاقتور گروہ مدینے اور خیبر میں رہتے تھے۔ یہودیوں میں سے بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ کا فیصلہ پہلے ہو چکا تھا، جنگ خیبر نے یہودیوں کی شرارتوں کا آخری سرچشمہ بھی بند کر دیا۔ فتح مکہ اور جنگ حنین نے قریش کا زور توڑ دیا اور ہوازن و ثقیف کی آتش عداوت کو بھی ٹھنڈا کر دیا۔ باقی رہے عیسائی، تو عرب کے قلب میں ان کی کوئی بڑی آبادی نہ تھی۔ یمن میں جو عیسائی رہتے تھے، وہ نہ قریش کی طرح جابر اور خود پسند تھے، نہ یہودیوں کی طرح ان کی طبیعتوں میں سختی اور سنگینی تھی۔ وہ یا تو اسلام کی طرف مائل ہو گئے یا انھوں نے اسلام کی امان قبول کر لی۔

عرب و شام کی سرحدی ریاستیں عرب و شام کے سرحدی علاقوں میں عیسائیوں کی جو ریاستیں تھیں، وہ رومیوں کے ماتحت

تھیں اور رومیوں ہی کی وجہ سے ان کے سرداروں نے عیسائی مذہب قبول کرلیا تھا۔ یہ ریاستیں شروع شروع میں تو اسلام کی دعوت سے بے تعلق رہیں اور کسی مخالفت میں حصہ نہ لیا، لیکن جب عرب کے اندر کی مخالف قوتیں ایک ایک کر کے ٹوٹنے لگیں تو بعض عیسائی رئیسوں کو یہ بات ناگوار گزرہی۔ صلح حدیبیہ کے بعد رسولؐ پاک نے بادشاہوں اور رئیسوں کو جو دعوت نامے بھیجے تھے، ان میں سے ایک دعوت نامہ موتہ کے رئیس شرجبیل بن عمرو غسانی کے نام بھی تھا۔ حضرت حارثؓ بن عمیر یہ دعوت نامہ لے کر گئے تھے۔ شرجبیل نے حضرت حارثؓ کو کسی جرم و قصور کے بغیر شہید کرادیا اور اس بات کا بھی خیال نہ کیا کہ سفیر اور ایلچی کو مارنا بین الاقوامی رواج کے اعتبار سے بہت بڑا جرم تھا۔ رسولؐ پاک نے اس پر مجبور ہو کر تین ہزار کا لشکر بھیجا اور جنگ موتہ پیش آئی، جس کے حالات ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اس وقت قیصر روم بھی شام میں تھا، اس کی فوج بھی مسلمانوں کے خلاف لڑی، لیکن ایک لاکھ کے لشکر کو تین ہزار مسلمانوں کے مقابلے میں نامراد لوٹنا پڑا۔

سفر تبوک کا سبب پھر سارے عیسائی رئیسوں نے ایکا کر کے مسلمانوں پر حملے کا ارادہ کرلیا اور قیصر روم بھی انھیں زیادہ سے زیادہ مدد دینے پر آمادہ ہوگیا۔ شام میں دشمنوں کی فوجیں جمع ہونے لگیں۔ جو شامی تاجر مدینے آئے، ان سے

سارے حالات معلوم ہوئے، بلکہ ان تاجروں نے یہ بھی بتا دیا کہ قیصر نے اپنی سپاہ کو ایک برس کی تنخواہ پیشگی دے دی ہے۔ اس اطلاع کو غلط سمجھنے کی کوئی وجہ نہ تھی بلکہ تمام قرینے اس کے درست ہونے کی تائید کر رہے تھے۔

دفاع کے لیے تیاری رسولؐ پاک کو قیصر اور شامی سرداروں کے مقابلے کے لیے تیار ہونا پڑا۔ اگر مدینے میں بیٹھ کر ان کے حملے کا انتظار فرماتے تو اپنا ملک لڑائی کا میدان بنتا اور اس کے امن کو نقصان پہنچتا۔ لہٰذا فیصلہ کر لیا گیا کہ دشمن کو سرحد پر روکا جائے اور وہیں لڑ کر اسے پیچھے ہٹا دیا جائے۔ اس غرض کے لیے عام تیاری کا اعلان ہو گیا۔

سرحدی مقام تبوک تھا، جو مدینہ منوّرہ سے چودہ منزل تھا۔ سخت گرمی کا موسم، راستہ بے حد کٹھن، صرف سواریاں ہی کم نہ تھیں، توشے کی بھی بڑی قلت تھی۔ سوء اتفاق سے ملک میں شدید قحط پڑا ہوا تھا۔ صحابہؓ کے امتحان کی یہ نہایت نازک ساعت تھی۔

جو لوگ منافق یعنی دو دلے تھے اور اسلام ان کے قلب میں نہیں اُترا تھا، .. بہانے بنانے لگے اور انھوں نے مخلص لوگوں کے سامنے بھی طرح طرح کے خطرے پیش کر کے انھیں دُبدا میں ڈالنا شروع کر دیا۔ لیکن خدا کے حکم بردار بندے اور رسولِ پاک کے سچے فدائی جو بائیس برس امتحانوں کے نہایت خوفناک طوفان اپنے اوپر سے نہایت صبر کے ساتھ گزار چکے

تھے، ان کے لیے یہ نیا امتحان کیا حیثیت رکھتا تھا۔ وہ اپنے ہادیؐ کے فرمان پر بے تابانہ آگے بڑھے اور تھوڑے ہی دنوں میں تیس ہزار کا لشکر تیار ہوگیا۔ اتنا بڑا لشکر اس سے پہلے عرب کی سرزمین سے نہیں اُٹھا تھا۔

صحابہ کی شانِ ایثار اس نازک ساعت میں صحابہؓ نے ایثار و قربانی کے جو نمونے پیش کیے، ان کی نظیر سے تاریخ کے صفحات خالی ہیں۔ صرف چند مثالیں سُن لیجیے:

(۱) حضرت عثمانؓ غنی دولت مند تھے، انھوں نے نوسو اُونٹ، ایک سو گھوڑے اور ایک ہزار دینار پیش کیے۔ دس ہزار کے لیے اسلحہ بہم پہنچائے۔ رسولؐ پاک نے انھیں "مجہز جیش العسرت" کا خطاب عطا فرمایا۔ یعنی تنگ دستی کے زمانے کے لشکر کے لیے سامان فراہم کر دینے والا۔

(۲) حضرت عبدالرحمٰنؓ ابن عوف بھی دولت مند تھے، انھوں نے چالیس ہزار درہم پیش کیے۔

(۳) حضرت عمرؓ فاروق کے پاس جو کچھ تھا، اس کے دو حصّے کیے اور ایک حصّہ جو کئی ہزار روپے کا تھا، لاکر رسولؐ پاک کے قدموں پر رکھ دیا۔

(۴) حضرت ابو بکرؓ صدیق کے پاس جو کچھ تھا پورے کا پورا اُٹھا کر دے دیا، یہاں تک کہ ان کے کرتے کو جو گھنڈیاں لگی ہوئی تھیں، وہ بھی اُتار کر شامل کر دیں۔ رسولؐ پاک نے جب پوچھا کہ "ابو بکرؓ! بال بچوں کے لیے کیا چھوڑا؟ اس پیکرِ صدق

نے عرض کیا، اللہ اور اس کا رسولؐ:

پروانے کو چراغ ہے، بلبل کو پھول بس
صدیقؓ کے لیے ہیں خدا و رسولؐ بس

(۵) ابو عقیلؓ ایک غریب انصاری تھے۔ رات بھر پانی نکال نکال کر ایک کھیت کو سیراب کرتے رہے۔ چار سیر چھوہارے مزدوری میں ملے۔ صبح ہوئی تو دو سیر چھوہارے بیوی بچوں کے حوالے کیے۔ اور دو سیر چھوہارے رسولؐ پاک کی خدمت میں لے آئے۔ حضورؐ کے سامنے مال و اسباب کے ڈھیر لگے ہوئے تھے، فرمایا: "ان چھوہاروں کو برکت کے لیے سارے ڈھیروں پر بکھیر دو۔"

سفر کی صعوبتیں

غرض تیس ہزار کا لشکر مدینہ منورہ سے روانہ ہوا۔ سواریوں کی اتنی قلت تھی کہ اٹھارہ اٹھارہ آدمیوں کے حصے میں ایک ایک اونٹ آیا۔ رسد اتنی کم تھی کہ کئی جگہ درختوں کے پتے کھاتے کھاتے راہ خدا کے ان پاک نفس غازیوں کے ہونٹ سوج گئے۔ بعض مقامات پر پانی ملا ہی نہیں۔ لیکن کسی کے لب پر حرف شکایت نہ آیا۔ سب خدا کی فرمانبرداری اور رسولؐ پاک کی محبت و اطاعت کے پیکر بنے ہوئے تھے اور یہ خوشی انہیں ہر تکلیف سے بے پروا بنا دینے کے لیے کافی تھی کہ وہ اسلامی فرض ادا کر رہے ہیں۔ ایسے سچے مومنوں کی اتنی بڑی جماعت پیدا کر دینے سے بڑھ کر زندہ معجزہ کیا ہو سکتا ہے؟ رسولؐ پاک کے ان معجزوں سے

کون سا انسان ایک لمحہ کے لیے بھی انکار کی جرأت کر سکتا ہے؟

تبوک میں قیام تبوک پہنچنے پر معلوم ہوا کہ قیصر کی طرف سے کوئی فوج نہیں آئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ قیصر نے مسلمانوں کے جوش و ایثار کی خبریں سُن کر لڑائی کا ارادہ ترک کر دیا۔ رسولؐ پاک نے بیس دن تبوک میں قیام فرمایا۔ اس اثنا میں آس پاس کے عیسائی سرداروں نے حاضر ہو کر اطاعت قبول کی۔ پھر رسولؐ پاک نے حضرت خالدؓ کو چار سو کی جمعیت کے ساتھ "دومۃ الجندل" بھیجا اور وہاں کے عرب سردار نے مدینے حاضر ہو کر امان نامہ حاصل کیا۔

رسولؐ پاک کا خطبہ تبوک میں ایک نماز کے بعد رسولؐ پاک نے ایک جامع وعظ فرمایا۔ جس کے بعض ارشادات کا ترجمہ اس غرض سے ذیل میں پیش کیا جاتا ہے کہ اس سے بھی اسلام کی پاک تعلیمات کا اندازہ ہو سکتا ہے فرمایا:

(۱) خدا کی کتاب (قرآن) صدق میں ہر کلام سے بڑھی ہوئی ہے۔

(۲) سب سے بڑھ کر بھروسے کی بات کلمۂ تقویٰ ہے۔

(۳) سب ملتوں سے بہتر ملت ابراہیم علیہ السلام کی ہے۔

(۴) سب طریقوں سے بہتر طریقہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ہے۔

(۵) سب ذکروں سے اشرف خدا کا ذکر ہے۔

(۶) سب بیانات سے پاکیزہ تر قرآن ہے
(۷) بہترین کام اولوالعزمی کے کام ہیں۔
(۸) سب ہدایتوں سے بہتر ہدایت انبیاؑ کی ہے۔
(۹) ہر موت سے بہتر موت شہیدوں کی ہے۔
(۱۰) اچھا عمل وہ ہے جس سے نفع پہنچے۔
(۱۱) بدترین اندھاپن، دل کا اندھاپن ہے۔
(۱۲) تھوڑا مال جو انسان کی عام ضرورتوں کے لیے کافی ہو، اس کثیر مال سے بہتر ہے جو دل کو غفلت میں ڈال دے۔
(۱۳) دانائی کا سب سے اُونچا مقام یہ ہے کہ انسان کے دل میں خُدا کا خوف ہو۔
(۱۴) سعادت مند وہ ہے جو دوسروں سے نصیحت پکڑے۔
(۱۵) مومن کو گالی دینا نافرمانی ہے اور اُسے قتل کرنا کُفر ہے۔
(۱۶) جو غصّے کو پی جاتا ہے، خدا کے ہاں سے اجر پاتا ہے۔
(۱۷) جو نقصان پر صبر کرتا ہے، خدا اسے بدلہ دیتا ہے۔

ان میں سے ہر ارشاد اسلامیت کا جواہر ریزہ اور انسانی زندگی کے راستے کی روشن مشعل ہے۔

بیس روز کے قیام کے بعد رسولِؐ پاک واپس تشریف لے آئے۔

اٹھائیسواں باب

مخلّفین اور منافقین

کھرے کھوٹے الگ الگ ہو گئے سفر تبوک کے سلسلے میں مسلمانوں کی بہت بڑی جماعت نے اخلاص و قربانی کا وہ نقشہ پیش کیا جو ہمیشہ انسانیت کی تاریخ کا ایک درخشاں باب بنا رہے گا۔ انھوں نے کسی خطرے کی پروا نہ کی، تکلیف کو تکلیف نہ سمجھا۔ خدا کے پاک رسولؐ کا فرمان سُنتے ہی اُٹھے، جو کچھ ہاتھ آیا قومی دفاع کی نذر کر دیا اور اپنی جانیں ہتھیلیوں پر رکھ کے آپؐ کے ہمرکاب تبوک پہنچ گئے۔

منافقوں نے بہانوں کے ذریعہ سے بیٹھے رہنے کا انتظام کرلیا۔ وہ لوگ ظاہراً مسلمان تھے لیکن ان کے دلوں کا کھوٹ دُور نہیں ہُوا تھا۔ اسلام کی قوت اور فروغ سے دب کر جماعتِ مسلمین میں شامل ہو گئے تھے، لیکن ان کے قلب و روح میں اسلام کی سچی محبت نہیں رچی تھی۔ واقعۂ تبوک نے ان لوگوں کا کھوٹ سب پر آشکارا کر دیا۔

پیچھے رہ جانے والے لوگ ایک چھوٹا سا گروہ ان مسلمانوں کا بھی تھا، جن کے دل خدا اور رسولؐ پاک کی سچّی محبت سے بھرے ہوئے تھے۔ ان کا اخلاص ہر شبہ سے پاک تھا، لیکن

ان سے ادائے فرض میں غفلت سرزد ہوئی۔ وہ کاہلی اور سستی کی وجہ سے پیچھے رہ گئے اور فداکاران اسلام کے ساتھ تبوک نہ جا سکے۔ اس وجہ سے مخلّفین کہلائے، یعنی "پیچھے رہ جانے والے لوگ"۔ عام حالات میں شاید ایسی کوتاہی کا کسی کو خیال بھی نہ آتا، لیکن قومی دفاع کی نہایت نازک گھڑی میں اہلِ ایمان سے ذرا سی کوتاہی بھی بالکل خلاف امید تھی۔ اس لیے سخت پرسش ضروری ہو گئی۔

یہ تین بزرگ تھے: کعبؓ بن مالک، ہلالؓ بن امیہ اور مرارہؓ بن ربیع۔ کعب بن مالک ان تہتر سابقین اسلام میں سے تھے جو عقبہ کی دوسری بیعت میں شریک تھے۔ گویا پیغامِ حق کو قبول کرنے میں جن لوگوں کو پہل کا شرف ملا، ان میں سے تھے۔ ہلالؓ بن امیہ اور مرارہ بن ربیع جنگِ بدر میں لڑے تھے اور اہل بدر کی عظمت و برتری کسی تشریح کی محتاج نہیں۔ لیکن ان بزرگوں کی کوئی عظمت قومی دفاع کے موقع پر کوتاہی کی پرسش سے انھیں بچا نہ سکی۔

کعب بن مالک کا بیان

کعبؓ بن مالک خود بیان کرتے ہیں کہ میں تمام جنگوں میں رسولؐ خدا کے ساتھ رہا۔ تبوک کے موقع پر بھی جانے کا پکا ارادہ تھا، لیکن اس خیال میں رہا کہ اپنے چند کام نمٹا لوں تو نکلوں، یہاں تک کہ پورا وقت نکل گیا۔ اور اطلاع ملی کہ رسولؐ خدا واپس آ رہے ہیں۔ تب میری آنکھیں کھلیں، لیکن تلافی کا وقت ہاتھ سے جا چکا تھا۔

اٹھائیسواں باب

مخلّفین اور منافقین

کھرے کھوٹے الگ الگ ہو گئے سفر تبوک کے سلسلے میں مسلمانوں کی بہت بڑی جماعت نے اخلاص و قربانی کا وہ نقشہ پیش کیا جو ہمیشہ انسانیت کی تاریخ کا ایک درخشاں باب بنا رہے گا۔ انھوں نے کسی خطرے کی پروا نہ کی تکلیف کو تکلیف نہ سمجھا۔ خدا کے پاک رسولؐ کا فرمان سنتے ہی اُٹھے، جو کچھ ہاتھ آیا قومی دفاع کی نذر کر دیا اور اپنی جانیں ہتھیلیوں پر رکھ کے آپؐ کے ہمرکاب تبوک پہنچ گئے۔

منافقوں نے بہانوں کے ذریعہ سے بیٹھے رہنے کا انتظام کرلیا۔ وہ لوگ ظاہرا مسلمان تھے لیکن ان کے دلوں کا کھوٹ دُور نہیں ہُوا تھا۔ اسلام کی قوت اور فروغ سے دب کر جماعتِ مسلمین میں شامل ہو گئے تھے، لیکن ان کے قلب و روح میں اسلام کی سچی محبت نہیں رچی تھی۔ واقعۂ تبوک نے ان لوگوں کا کھوٹ سب پر آشکارا کر دیا۔

پیچھے رہ جانے والے لوگ ایک چھوٹا سا گروہ ان مسلمانوں کا بھی تھا، جن کے دل خدا اور رسولؐ پاک کی سچی محبت سے بھرے ہوئے تھے۔ ان کا اخلاص ہر شبہ سے پاک تھا، لیکن

ان سے ادائے فرض میں غفلت سرزد ہوئی۔ وہ کاہلی اور سستی کی وجہ سے پیچھے رہ گئے اور فداکاران اسلام کے ساتھ تبوک نہ جاسکے۔ اس وجہ سے مخلّفین کہلائے، یعنی، پیچھے رہ جانے والے لوگ۔ عام حالات میں شاید ایسی کوتاہی کا کسی کو خیال بھی نہ آتا، لیکن قومی دفاع کی نہایت نازک گھڑی میں اہلِ ایمان سے ذرا سی کوتاہی بھی بالکل خلاف امید تھی، اِس لیے سخت پرسش ضروری ہو گئی۔

یہ تین بزرگ تھے: کعبؓ بن مالک، ہلالؓ بن امیہ اور مرارہؓ بن ربیع۔ کعب بن مالک ان تہتر سابقین اسلام میں سے تھے جو عقبہ کی دوسری بیعت میں شریک تھے۔ گویا پیغامِ حق کو قبول کرنے میں جن لوگوں کو پہل کا شرف ملا، ان میں سے تھے۔ ہلالؓ بن امیہ اور مرارہ بن ربیع جنگِ بدر میں لڑے تھے اور اہل بدر کی عظمت وبرتری کسی تشریح کی محتاج نہیں۔ لیکن ان بزرگوں کی کوئی عظمت قومی دفاع کے موقع پر کوتاہی کی پرسش سے انھیں بچا نہ سکی۔

کعب بن مالک کا بیان

کعبؓ بن مالک خود بیان کرتے ہیں کہ میں تمام جنگوں میں رسولؐ خدا کے ساتھ رہا۔ تبوک کے موقع پر بھی جانے کا پکّا ارادہ تھا، لیکن اس خیال میں رہا کہ اپنے چند کام نبٹا لوں تو نکلوں، یہاں تک کہ پورا وقت نکل گیا۔ اور اطلاع ملی کہ رسولؐ خدا واپس آ رہے ہیں۔ تب میری آنکھیں کھلیں، لیکن تلافی کا وقت ہاتھ سے جا چکا تھا۔

رسولِ خدا مدینے پہنچتے ہی معمول کے مطابق مسجد میں تشریف لائے۔ جو لوگ تبوک نہیں گئے تھے وہ آ آکر عذر پیش کرنے لگے۔ کعبؓ کہتے ہیں کہ میری طرف توجہ فرمائی تو دل نے گوارا نہ کیا کہ جھوٹا عذر پیش کروں۔ سچی بات صاف صاف عرض کر دی۔ آپؐ نے فرمایا: "جاؤ اور انتظار کرو یہاں تک کہ خدا فیصلہ کر دے۔" یہ حکم دو اور آدمیوں کو ملا تھا: ایک مرارہ بن ربیع کو اور دوسرے ہلالؓ بن امیہ کو۔ پھر ارشاد ہوا کہ ہم تینوں سے کوئی بات چیت نہ کرے۔ اس کے ساتھ ہی سب نے ہم سے منہ پھیر لیا اور ہمارے گرد و پیش کی دُنیا کچھ سے کچھ ہو گئی۔

آزمایش پر آزمایش میرے ساتھی تو گھروں میں بند ہو کر بیٹھ گئے، لیکن میں روزانہ مسجد میں حاضر ہوتا اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھتا۔ اکثر نماز کے بعد قریب جا کر سلام عرض کرتا، پھر اپنے جی میں کہتا کہ دیکھوں سلام کے جواب میں آپؐ کے لبوں کو حرکت ہوتی ہے یا نہیں؟ آپؐ کبھی کبھی مجھے دیکھ لیتے لیکن جب میری نگاہیں اُٹھتیں تو روئے انور پھیر لیتے۔

ایک دن میں مدینے سے باہر نکل کر اپنے چچیرے بھائی کے باغ تک پہنچ گیا۔ تمام عزیزوں میں مجھے اس کے ساتھ سب سے زیادہ محبت تھی۔ میں نے سلام کیا مگر اُس نے کچھ جواب نہ دیا۔ میں نے درد دل سے کہا: "کیا تم نہیں جانتے کہ میں مسلمان ہوں اور میرا دل خدا اور رسولؐ کی محبت سے لبریز ہے؟" اس پر بھی وہ نہ بولا۔ بار بار میں نے یہی بات دہرائی تو اس نے صرف

اتنا کہا کہ ۔ اللہ و رسولہ اعلم "۔" خدا اور اس کا رسولؐ بہتر جانتے ہیں "۔ میں نے یہ سُنا تو آنکھیں بے اختیار اشکبار ہوگئیں۔
ہماری اس حالت کی خبریں باہر بھی پہنچ گئی تھیں۔ شام کے غسانی حاکم نے میرے پاس قاصد بھیجا کہ تمہارے آقا نے تم پر سختی کی ہے، ہمارے پاس چلے آؤ تمہیں عزت سے رکھیں گے۔
یہ ایک نئی آزمایش تھی۔ کعبؓ نے خط لے کر اس وقت آگ میں ڈال دیا اور قاصد سے کہا کہ جاؤ اپنے آقا سے کہہ دو کہ تمہاری مہربانی سے اپنے آقا کی بے التفاتی میرے لیے ہزار درجے بہتر ہے۔
معافی چالیس دن اسی حالت میں گزر گئے۔ پھر حکم آیا کہ بیوی سے الگ ہو جاو۔ کعبؓ کہتے ہیں، میں نے فرمان لانے والے سے پوچھا کہ "بیوی کو طلاق دے دوں؟" اس نے کہا نہیں، صرف علیحدگی کا حکم ہے۔ میں نے اسی وقت اپنی بیوی کو میکے بھجوا دیا۔
دس دن اور گزر گئے میں صبح کی نماز پڑھ کر اپنے مکان کی چھت پر بیٹھا تھا۔ زندگی بے کیف ہو چکی تھی۔ خدا کی زمین ساری وسعتوں کے باوجود مجھ پر تنگ ہو گئی تھی۔ اس وقت کسی کی آواز میرے کان میں پہنچی کہ "کعب، مبارک ہو تمہاری توبہ قبول ہوئی" جو لوگ میری صورت دیکھ کر منہ پھیر لیتے تھے وہ اب گروہ در گروہ مجھے مبارکباد دینے کے لیے دوڑے۔ ایک آدمی گھوڑے پر سوار ہو کر آیا تاکہ سب سے پہلے مجھے بشارت پہنچائے۔ میں مسجد میں حاضر ہوا۔ رسولِ خداؐ خوش ہوتے تو آپؐ کا چہرہ چاند کی طرح دمکنے لگتا۔ اس وقت بھی چہرۂ مبارک پر

چمک لہریں مار رہی تھی۔ فرمایا: "کعب! میں تجھے اس دن کی بشارت دیتا ہوں جو تیری زندگی کا سب سے بہتر دن ہے۔" میں نے عرض کیا: "چاہتا ہوں کہ اس خوشی میں اپنا سارا مال راہ خدا میں دے دوں۔" فرمایا: "نہیں۔" میں نے عرض کیا: "نصف؟" فرمایا: "نہیں۔" میں نے عرض کیا: "ایک تہائی؟" فرمایا: "خوب ہے۔"

دیکھو قومی دفاع کے موقع پر ذرا سی غفلت اور تساہل پر کتنی سخت سزا ملی اور ان لوگوں کی پہلی نیکیوں کے انبار ان کے کچھ کام نہ آئے۔

مسجد ضرار یہ مخلفین کی غفلت کی سزا تھی۔ ایک جماعت منافقین کی بھی تھی۔ وہ ظاہرا مسلمانوں میں شامل تھے، لیکن دل میں نقصان پہنچانے کی تدبیریں سوچتے رہتے تھے۔ انھوں نے مسجد قبا کے قریب ہی ایک مسجد بنالی تھی، جسے قرآن شریف میں "مسجد ضرار" کہا گیا۔ رسولؐ پاک تبوک جا رہے تھے تو ان لوگوں نے عرض کیا کہ اس نئی مسجد میں نماز ادا کر کے اسے متبرک بنا دیجیے۔ آپؐ نے فرمایا: "اب تو سفر درپیش ہے، واپسی پر دیکھوں گا۔" سفر تبوک کے دوران میں ہی خدا نے ان لوگوں کی اصلی حالت رسولؐ پاک پر روشن کر دی اور آپؐ نے حکم دے دیا کہ منافقوں کی اس بنائی ہوئی مسجد کو ڈھا دیا جائے۔ چنانچہ آپؐ کے پہنچنے سے پہلے ہی مسجد ضرار کو زمین کے برابر کر دیا گیا۔ اس کی جگہ کا نشان اب تک مسجد قبا کے پاس موجود ہے۔

چار مقصد قرآن حکیم میں اس مسجد کی تعمیر کے چار مقصد بیان کیے گئے ہیں:

(۱) "ضِرَارًا": یعنی مسجد بنانے والوں کا مدعا یہ تھا کہ مخلص مسلمانوں کو ضرر اور نقصان پہنچائیں۔

(۲) "کُفْرًا": دوسرا مدعا یہ تھا کہ کفر کے مقاصد پورے کریں۔

(۳) "تَفْرِيقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ": تیسرا مدعا یہ تھا کہ مومنوں کے درمیان تفرقہ ڈالیں۔

(۴) "اِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ": چوتھا مدعا یہ تھا کہ جو لوگ پہلے اللہ اور رسول سے جنگ کر چکے ہیں، یعنی اسلام کے دشمن ان کے لیے ایک کمین گاہ پیدا کر دیں۔

یہ چاروں مقصد مسلمانوں کی قومی اور اجتماعی زندگی کے لیے خوفناک فتنوں کے موجب تھے جن سے اسلامیت کی آہنی دیواریں رخنے پیدا ہوتے تھے۔ لہٰذا ان مقاصد کے دروازے سختی سے بند کر دیے گئے۔ اس حقیقت کو بھی سامنے رکھو کہ یہ مقاصد عمارت مسجد جیسے بہ ظاہر نہایت نیک اور مستحسن عمل کے لباس میں بھی سامنے آئے تو ان کا وجود گوارا نہ ہوا اور انھیں فنا کرنے کے لیے مسجد ڈھا دینے میں تامل نہ کیا گیا۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ قومی اور اجتماعی زندگی کو فتنہ و عمل کی پرچھائیں سے بھی محفوظ رکھنا کس درجہ ضروری ہے اور کوئی فعل و عمل بہ ظاہر کتنا ہی نیک اور پاک کیوں نہ ہو جب تک حقیقۃً نیکی اور خیر پہ مبنی نہ ہو، مقبول نہیں۔ فیصلے کا معیار عمل کی صرف ظاہری صورت نہیں بلکہ معنویت کے اعتبار سے بھی اسے مفید و سود مند ہونا چاہیے اور اس میں جماعت کے لیے مضرت کا شائبہ تک نہ ہونا چاہیے۔

انتیسواں باب

عرب کا قبولِ اسلام

وفود جب جنگوں کی طرف سے قدرے اطمینان ہوگیا اور پیغامِ حق کے داعی عرب کے مختلف حصوں میں پہنچنے لگے تو اسلام کے آفتاب کی عام جلوہ گری شروع ہوگئی۔ عرب میں قبیلوں کا نظام رائج تھا۔ آہستہ آہستہ قبیلوں پر قبیلے مسلمان ہوتے گئے۔ وہ لوگ خود اپنے نمایندے رسولِ پاک کی بارگاہ میں بھیجتے، جو اسلام قبول کر لیتے۔ پھر اپنے اپنے قبیلوں کو دینِ حق کے دائرے میں لے آتے۔

ہجرت کے آٹھویں سال مکّہ مکرمہ فتح ہُوا اور قریش کی مخالفت ہمیشہ کے لیے ختم ہوگئی۔ اس سے پہلے بھی بعض قبیلوں کے وفد مدینہ منوّرہ پہنچے تھے لیکن فتح مکہ کے بعد تو وفدوں کا تانتا بندھ گیا۔ ان کی صحیح تعداد بتانا مشکل ہے۔ بعض اصحاب کا بیان ہے کہ کل ایک سو چار وفد آئے۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کی تعداد زیادہ سے زیادہ ستّر تھی۔ سیرت کی مفصّل کتابوں میں چونتیس وفدوں کے حالات بیان کیے گئے۔ یہ زیادہ تر ہجرت کے آٹھویں، نویں اور دسویں سال آئے۔

عروہ بن مسعود ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ جنگِ حنین

کے بعد رسولِ پاک نے طائف کا محاصرہ کرلیا تھا، جہاں قبیلۂ ثقیف رہتا تھا، لیکن جب دیکھا کہ ان لوگوں کا زور ٹوٹ چکا ہے تو آپؐ نے محاصرہ اٹھا لینے کا حکم دے دیا۔ اور جاتے ہوئے یہ دعا فرمائی کہ خدایا! "بنو ثقیف کو ہدایت دے اور میرے پاس بھیج"۔

بنو ثقیف کے ایک سردار عروہ بن مسعود تھے، جو اپنی دانائی اور شرافت کی وجہ سے بہت معزز مانے جاتے تھے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر قریش نے انھیں اپنا ترجمان بنا کر رسولِ پاک کے پاس بھیجا تھا۔ محاصرہ طائف کے وقت عروہؓ یمن گئے ہوئے تھے۔ جب سنا کہ رسولِ پاک تبوک سے واپس آگئے ہیں، تو مدینے پہنچے اور اسلام قبول کرلیا۔ پھر عرض کیا کہ واپس جاکر اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دینا چاہتا ہوں۔ رسولِ پاک کو بنو ثقیف کی سنگ دلی کا پورا اندازہ تھا، اس لیے فرمایا کہ قوم تمھیں قتل کر دے گی۔ عروہؓ نے عرض کیا کہ "قوم مجھے اپنا محبوب سمجھتی ہے"۔

غرض عروہؓ اجازت لے کر طائف پہنچے اور اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی، وہ لوگ آپس میں مشورہ کرنے لگے۔ ابھی کسی نتیجے پر نہیں پہنچے تھے کہ اگلے دن صبح کے وقت عروہ نے اپنے گھر کی چھت پر کھڑے ہو کر اذان کہی۔ بنو ثقیف یہ سنتے ہی یکایک جوش میں آگئے۔ عروہؓ کی دانائی شرافت اور ہر دلعزیزی ان کی نظروں سے اوجھل ہو گئی، اور ان پر بے دریغ تیر برسنے لگے۔ اس طرح دینِ حق کا یہ داعی مظلومی کے عالم میں شہید ہو گیا۔ مرتے وقت وصیت کی کہ مجھے ان مسلمانوں کے پاس دفن کیا جائے، جو طائف کے محاصرے میں

شہید ہوئے تھے۔

بنو ثقیف | عروہؓ کا خونِ شہادت رایگاں نہ گیا۔ طائف کے

کے آس پاس کے قبیلے مسلمان ہو گئے تو بنو ثقیف اپنے بارے میں سخت پریشان ہوئے۔ آخر انھوں نے چند آدمی وفد کی شکل میں مدینہ منورہ بھیجے۔ طائف کا سردار عبد یالیل اس وفد کا رئیس تھا۔ ان لوگوں کو غالباً خوف تھا کہ مسلمان انھیں نقصان پہنچائیں گے، اس لیے ڈرتے ڈرتے گئے۔ رسولِ پاکؐ نے اُن کے لیے صحن مسجد میں خیمہ لگوا دیا۔

گفتگو کے بعد وہ مسلمان ہو گئے لیکن کہنے لگے کہ ہمارے بتوں کو نہ توڑا جائے۔ یہ بات رد کر دی گئی تو انھوں نے کہا کہ ہم اپنے ہاتھ سے بتوں کو نہیں توڑ سکتے۔ رسولِ پاکؐ نے اپنے آدمی بھیج کر بُت تُڑوا دیے۔ دو برس میں ثقیف کا پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔

بنو تمیم | قبیلہ تمیم بحرین میں رہتا تھا۔ بحرین سے مراد خلیج فارس کے وہ جزائر نہیں جو ساحلِ عرب سے قریب واقع ہیں اور جنھیں آج کل بحرین کہا جاتا ہے بلکہ اس سے مراد خلیج فارس کا وہ عربی ساحل ہے، جسے آج کل الاحسا یا الحسا کہتے ہیں۔ اور یہ دولت عربیہ سعودیہ کا ایک صوبہ ہے۔ پُرانے زمانے میں اسی کا نام بحرین تھا جیسا کہ ہم عرب کے جغرافیہ میں بیان کر چکے ہیں۔

بنو تمیم اگرچہ قبول اسلام کی غرض سے آئے تھے لیکن دماغوں

میں فخر و غرور کا نشہ بہ دستور باقی تھا۔ مدینے پہنچتے ہی اپنی زمانے کے رواج کے مطابق اپنی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیے۔ یہ بڑے زبان آور تھے۔ کہتے ہیں کہ ان میں سے ایک شخص نے اس شان سے تقریر کی کہ لوگ حیرت میں آ گئے۔ آخر اسلام قبول کیا اور تمام اخلاقی کثافتوں سے پاک ہو کر واپس گئے۔

بنو عبدالقیس بنو عبدالقیس بھی بحرین میں رہتے تھے۔ وہاں اسلام پہنچ چکا تھا۔ ہجرت کے پانچویں سال ان کے تیرہ آدمی مدینہ منورہ پہنچے اور عرض کیا کہ ہمارے راستے میں ایک دشمن قبیلہ رہتا ہے اور ہم صرف ان مہینوں میں آ جا سکتے ہیں، جب عربوں کے رواج کے مطابق لڑائی بند ہو جاتی ہے، یعنی حرمت والے مہینوں میں، اس لیے ہمیں ایسی باتیں کھول کر بتا دیجیے جن پر عمل کرتے رہیں اور اپنے بھائیوں سے بھی انھیں پر عمل کرائیں اس قبیلے میں اور عرب کے بعض دوسرے قبیلوں میں نشے والی چیزیں پینے کا بہت رواج تھا اور رسولؐ پاک کی عادت شریف یہ تھی کہ اسلام کے بنیادی اصول کے ساتھ ساتھ ہر قبیلے کی نمایاں برائیوں کو روکنے پر خاص توجہ فرماتے تھے۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا: میں چار باتوں کا حکم دیتا ہوں اور چار چیزوں سے روکتا ہوں۔ حکم یہ کہ: (۱) خدا کو ایک جانو (۲) نماز پڑھو (۳) روزے رکھو (۴) اور خمس (مال سے پانچواں حصہ) دو۔ ان کے ساتھ چار قسم کے برتنوں کا استعمال منع فرمایا جن میں وہ لوگ

شراب بنانے کے عادی تھے۔ یہ بھی فرمادیا کہ نشے کی حالت میں نیک و بد کی تمیز نہیں رہتی۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی آدمی اس حالت میں اپنے چچیرے بھائی کو قتل کر دے۔ وہ لوگ یہ کلمات سن کر حیران رہ گئے۔ اس لیے کہ ان میں ایک آدمی ایسا بھی تھا جس نے نشے کی حالت میں واقعی اپنے چچیرے بھائی کو مار ڈالا تھا۔

بنو حنیفہ بنو حنیفہ یمامہ میں رہتے تھے۔ یمامہ کا نام آج کل کے جغرافیوں میں نہیں آتا۔ اسے موجودہ نجد کا جنوبی حصہ سمجھنا چاہیے۔ ان کا وفد آیا تو اس میں مسیلمہ بھی شریک تھا، جس نے بعد میں کذّاب کا لقب پایا، نبوّت کا دعوےٰ کیا۔ اور حضرت ابوبکرؓ کے زمانۂ خلافت میں مارا گیا۔ بنو حنیفہ نے اسلام قبول کر لیا۔ مسیلمہ نے ہجرت کے دسویں برس رسولؐ پاک کو ایک خط بھیجا کہ میں بھی خدا کا فرستادہ ہوں، آدھی زمین میری ہے اور آدھی قریش کی، مگر قریش انصاف نہیں کرتے۔ رسولِ پاکؐ نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا:

"زمین خدا کی ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے وارث بناتا ہے، عاقبت کی بھلائی صرف خدا سے ڈرنے والوں کے لیے ہے۔ سلام ہو اس پر جو سیدھی راہ پر چلتا ہے۔"

بنو طے اور عدی بن حاتم قبیلہ طے کے نامور سردار دو تھے۔ ایک حاتم طائی کا بیٹا عدی، دوسرا زید جو اپنی شہسواری کی وجہ

سے "زید الخیل" کہلاتا تھا۔ اس کے بارے میں رسولِ پاک نے فرمایا تھا کہ عرب کے جتنے لوگوں کی تعریف میرے سامنے ہوئی جب ان کو دیکھا تو وہ تعریف سے کم نکلے، ایک "زید الخیل" مستثنیٰ ہے۔ زید مدینے آیا اور اسلام قبول کیا تو رسولؐ پاک نے اسے "زید الخیر" کہہ کر پکارا۔ بعد میں سب اسے زید الخیر ہی کہتے رہے۔

عدی عیسائی تھا اور بھاگ کر شام چلا گیا تھا۔ اس کی بہن گرفتار ہو کر آئی تو رسولؐ پاک نے بڑی عزت سے ٹھہرایا، اور عزت سے رخصت فرمایا۔ وہ آپؐ کی نوازشوں اور مہربانیوں کی شکر گزار بن کر گئی اور جاتے ہی بھائی کو اصرار سے مدینے بھیجا۔ عدی مسجد میں حاضر ہوا اور سلام کیا۔ رسولؐ پاک نے پہلے نام پوچھا، پھر لے کر گھر کی طرف چلے۔ اس اثنا میں ایک بڑھیا نے آپؐ کو روک لیا اور دیر تک باتیں کرتی رہی۔ جب تک اس کی باتیں ختم نہ ہوئیں، آپؐ ٹھہرے رہے۔ صرف اسی ایک واقعہ نے عدی کے دل کو قبولِ حق کے لیے کھول دیا۔ وہ خود سردار تھا، رومیوں کے دربار دیکھ چکا تھا۔ یہ سادگی، یہ بے تکلفی، یہ مساوات اس درجہ حیرت ناک تھی کہ بڑے بڑے درباروں کا جاہ و جلال بھی اس کی نظروں میں گرد ہو کر رہ گیا۔

رسولؐ پاک اسے گھر لے گئے تو وہاں کا کل سامان ایک گدا تھا۔ آپؐ نے اسے عدی کی طرف بڑھا دیا اور اصرار سے اس پر بٹھایا۔ پھر بات چیت ہوئی تو اس نے اسلام قبول کر لیا۔

قبیلہ دوس ہم طفیل بن عمرو دوسی کا حال بیان کر چکے ہیں، جو اس وقت اسلام لایا جب قریش رسولؐ پاک کے سخت دشمن بنے ہوئے تھے۔ طفیل گھر پہنچا تو بوڑھے باپ سے کہا: "باوا جان! اب نہ میں آپ کا ہوں، نہ آپ میرے ہیں، میں تو مسلمان ہو چکا ہوں۔" باپ بولا: "جو تیرا دین ہے وہی میرا دین ہے۔" اس طرح باپ کو تو مسلمان کر لیا لیکن قبیلے میں اسلام نہ پھیلا۔ طفیل پھر رسولِ پاک کی بارگاہ میں پہنچا اور عرض کیا کہ دعا فرمایئے۔ آپؐ نے فرمایا: "خدایا دوس کو سیدھا راستہ دکھا۔" پھر طفیل سے کہا کہ جاؤ، لوگوں کو نرمی اور محبت سے دینِ حق کی طرف بلاؤ۔ اب کے تبلیغ کا اچھا اثر ہوا اور ہجرت کے پانچویں برس تک ستّر اسّی خاندان مسلمان ہو چکے تھے، جنھیں ساتھ لے کر طفیل مدینہ منوّرہ میں حاضر ہوا۔

تیسواں باب

عرب کا قبولِ اسلام

(۲)

اشعریہ اور ازد قبیلہ اشعریہ اور قبیلہ ازد دونوں یمن کے تھے۔ اشعریہ کے وفد میں حضرت ابو موسےٰ اشعری بھی شامل تھے۔ وہ لوگ بڑے شوق سے آئے، ملے اور اسلام قبول کیا۔ یہ تین شخص تھے۔ قبیلہ ازد نے سات آدمی بھیجے۔ رسولِ پاک نے ان کی وضع قطع پر پسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ جب انھوں نے عرض کیا کہ ہم ایمان لاچکے ہیں تو آپؐ نے پوچھا کہ اپنے ایمان کی حقیقت وکیفیت بتاؤ۔ بولے آپؐ نے جن آدمیوں کو تبلیغ کی غرض سے بھیجا تھا، انھوں نے ہمیں پانچ باتوں پر اعتقاد رکھنے کا حکم دیا اور پانچ پر عمل کرنے کا۔ ان دس کے علاوہ پانچ باتوں کے ہم پہلے سے پابند تھے۔

پانچ باتیں جن پر اعتقاد رکھنے کا حکم دیا یہ ہیں: (۱) خدا پر ایمان (۲) فرشتوں پر ایمان (۳) خدا کی کتابوں پر ایمان۔ (۴) خدا کے رسولوں پر ایمان (۵) مرنے کے بعد جی اٹھنے پر ایمان۔ عمل کی پانچ باتیں یہ ہیں: "(۱) لا الٰہ الا اللہ کہنا (۲) پانچ وقت نماز پڑھنا (۳) رمضان کے روزے رکھنا۔

(۴) زکوٰۃ دینا (۵) جانے آنے کا خرچ پاس ہو تو حج کرنا۔

پانچ باتیں جن کے ہم پہلے سے پابند تھے یہ ہیں: (۱) آسودگی میں خدا کا شکر ادا کرنا (۲) مصیبت کے وقت صبر سے کام لینا (۳) خدا کی رضا پر راضی رہنا (۴) امتحان کے وقت بھی راستبازی کو نہ چھوڑنا (۵) دشمنوں کو بُرا بھلا نہ کہنا۔

رسولِؐ پاک نے فرمایا: "اچھا پانچ باتیں مجھ سے اور سُن لو (۱) جن چیزوں کو کھانا نہ ہو انھیں جمع نہ کرو (۲) جس مکان میں بسنا نہ ہو، اسے نہ بناؤ (۳) جن چیزوں کو کل چھوڑ دینا ہے، ان میں مقابلہ نہ کرو۔ (۴) خدا سے ڈرتے رہو، اس لیے کہ تم سب کو اسی طرف لوٹنا ہے۔ اور اسی کے حضور حاضر ہونا ہے (۵) ان چیزوں کی رغبت رکھو، جو آخرت میں تمھارے کام آئیں۔

بنو سعد | بنو سعد کی طرف سے ایک نمایندہ (ضمام بن ثعلبہ) آیا۔ مسجد میں پہنچا تو عربوں کے بے تکلف انداز میں پوچھا: "محمدؐ کہاں ہیں؟" آپؐ مسجد ہی میں تکیہ لگائے بیٹھے تھے۔ لوگوں نے آپؐ کی طرف اشارہ کیا۔ اس نے کہا: "عبدالمطلب کے بیٹے! میں کچھ باتیں پوچھوں گا لیکن ذرا سختی سے پوچھوں گا، ناراض نہ ہونا۔" آپؐ نے فرمایا: "پوچھو۔" اس نے کہا: "خدا کی قسم کھا کر کہو کہ واقعی خدا نے آپؐ کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے؟" آپؐ نے فرمایا: "ہاں" اسی طرح نماز، زکوٰۃ، روزے اور حج کے بارے میں پوچھا۔ رسولِؐ پاک ہر سوال کے جواب میں "ہاں"

فرماتے رہے۔ پھر ضمام اُٹھا اور کہا کہ " مجھے قوم نے یہ سب کچھ معلوم کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ اب جاتا ہوں اور جو کچھ بتایا گیا ہے اس سے نہ ایک ذرّہ کم کروں گا نہ زیادہ " جاتے ہی اُس نے قوم کو جمع کر کے کہا کہ " بُت کچھ چیز نہیں ہیں۔ وہ نہ کچھ فائدہ پہنچا سکتے ہیں، نہ نقصان۔ مَیں تو خدا اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لے آیا " شام سے پہلے پہلے پوری قوم مسلمان ہو گئی۔

بنو اسد بنو اسد کا وفد آیا تو ان میں سے ایک نے مسجد میں آتے ہی کہا: " ہم گواہی دیتے ہیں کہ خدا ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور آپؐ اس کے بندے اور رسول ہیں " پھر رسولِ پاک سے کہا: " دیکھیے ہم خود ہی آگئے آپؐ نے تو ہمارے پاس کوئی آدمی نہ بھیجا " اس میں ایک گونہ فخر کا پہلو تھا۔ اس پر آیت نازل ہوئی کہ: " یہ لوگ اسلام لانے کو اس طرح پیش کرتے ہیں، گویا آپؐ پر احسان کیا۔ آپؐ کہیں مجھ پر کیوں احسان جتاتے ہو، بلکہ خدا کا یہ احسان ہے کہ اس نے تم کو سیدھا راستہ دکھایا "

بہرحال یہ لوگ بھی ضروری باتیں سیکھ کر واپس چلے گئے۔

کندہ اور حمیر یہ دونوں حکمران خاندان تھے۔ کندہ مدینہ منوّرہ آئے تو بڑی شان و شوکت سے آئے۔ کندھوں پر جو چادریں ڈال رکھی تھیں، ان میں ریشم کی سنجاف لگی ہوئی تھی۔ رسولِ پاک

نے پوچھا کہ تم اسلام نہیں لائے ؟ بولے ، لا چکے ہیں ، فرمایا : پھر یہ ریشمی چادریں کیسی ؟ ان لوگوں نے فوراً چادریں پھینک دیں۔
حمیر والے خود نہ آئے لیکن قاصد بھیج دیے کہ ہم نے اسلام قبول کرلیا ہے۔

وفد ہمدان ہمدان قبیلہ یمن میں آباد تھا - رسولؐ پاک نے پہلے حضرت خالدؓ بن ولید کو ان میں تبلیغ کی غرض سے بھیجا۔ حضرت خالدؓ دیر تک وہاں رہے لیکن لوگوں کو اسلام کی طرف رغبت پیدا نہ ہوئی - پھر حضرت علیؓ کو بھیجا گیا - ان کی تبلیغ کے فیضان سے سارا قبیلہ ایک دن میں مسلمان ہوگیا - حضرت علیؓ نے خط کے ذریعہ سے یہ بشارت رسولؐ پاک کی بارگاہ میں پہنچائی تو آپؐ نے سجدۂ شکر ادا کیا اور فرمایا ہمدان پر سلامتی ہو -
ان لوگوں کا بھی ایک وفد رسولؐ پاک کی زیارت کے لیے مدینہ منورہ آیا تھا -

وفد تجیب تجیب قبیلے کے تیرہ شخص بارگاہ نبویؐ میں حاضر ہوئے - یہ لوگ اسلام لاچکے تھے اور ان کے خلوص کا یہ حال تھا کہ اپنے مال مویشی کی زکوٰۃ لے کر آئے - رسولؐ پاک نے فرمایا : "یہ چیزیں واپس لے جاؤ اور اپنے قبیلے کے غریبوں میں بانٹ دو " انھوں نے عرض کیا : "یا رسول اللہ ! ہم نے سب سے پہلے اپنے غریبوں کو مال دیا ، جو بچ رہا اسے لے کر آپؐ کی خدمت میں پہنچے ہیں " حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا : "اس سے بہتر وفد کوئی نہیں آیا " رسولؐ پاک نے فرمایا : "ہدایت

خدا کے ہاتھ میں ہے، وہ جس کی بھلائی چاہتا ہے، اس کا سینہ ایمان کے لیے کھول دیتا ہے۔"

انھوں نے اسلام کی ضروری تعلیم حاصل کی۔ پھر اس خیال سے واپس جانے کے لیے مضطرب ہو گئے کہ فیض و برکت کے جو انوار خود حاصل کیے تھے، انھیں جلد سے جلد قوم کے دوسرے لوگوں تک پہنچا دیں۔ رسولِ پاکؐ نے رخصت کے وقت انھیں عطیے بھی دیے۔

نجرانی وفد نجران مکہ مکرمہ کے جنوب مشرق میں ہے۔ یہاں کے لوگ عیسائی تھے۔ رسولِ پاکؐ کی طرف سے اسلام کی دعوت پہنچی تو بڑے پادری نے قوم سے مشورہ کیا، جس میں طے ہوا کہ ایک وفد کو حالات دریافت کرنے کی غرض سے مدینہ منورہ بھیجا جائے۔ یہ لوگ مدینے پہنچے اور بات چیت کی۔ چونکہ عیسائی تھے اس لیے حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں بھی قرآن پاک کی ساری تصریحات انھیں سُنا دی گئیں۔ سب کچھ بتانے کے بعد آخری فیصلے کے لیے مباہلہ کا اصول بھی پیش کر دیا گیا، یعنی خدا کی بارگاہ میں دعا کہ جھوٹے پر لعنت ہو۔ رسولِ پاکؐ نے مباہلہ کی غرض سے حضرت فاطمہؓ، حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ اور حضرت علیؓ کو بھی بُلا لیا، لیکن نجرانی وفد مباہلے کے لیے تیار نہ ہوا اور سوچنے کے لیے مہلت مانگی۔ اگلے روز انھوں نے جزیہ دینا منظور کر لیا تو ان کو امان نامہ لکھ دیا گیا۔ امان نامے کی خاص دفعات یہ تھیں کہ ان کے جان، مال، جائداد، زمین وغیرہ کو

محفوظ رکھا جائے گا۔ حاضر و غائب کسی کے حق میں تغیّر نہ کیا جائے گا، نہ کسی کا قبضہ بدلا جائے گا، نہ ان سے بیگار لی جائے گی، نہ عشر، نہ ان کے علاقے سے فوج گزرے گی۔

دوسرا وفد یہ وفد نجران پہنچا تو بڑے پادری اور دوسرے لوگوں نے ایک منزل باہر نکل کر استقبال کیا۔ بڑے پادری کو سارے حالات سُنا دیے گئے۔ اس پر رسولؐ پاک کا بہت اچھا اثر پڑا۔ چلے تو ایک آدمی اُونٹ سے گر پڑا۔ اس کی زبان سے اچانک سخت کلمہ نکلا، جس میں اشارہ رسولؐ پاک کی طرف تھا۔ بڑے پادری نے اسے روکا کہ دیکھ کیا کہتا ہے، وہ تو خدا کے پیغمبر ہیں۔ اس آدمی نے وہیں سے مدینے کا رُخ کر لیا اور جا کر مسلمان ہو گیا۔ پھر ایک راہب اُٹھا جو مُدّت سے گرجے کی چھت پر عبادت میں لگا ہُوا تھا وہ بھی مدینے پہنچ کر اسلام لے آیا۔ آخر میں بڑا پادری خود وفد لے کر مدینہ منوّرہ گیا، جس میں ساٹھ آدمی تھے۔ رسولؐ پاک نے اُنھیں عزّت سے ٹھہرایا۔ اجازت دے دی کہ مسجد میں اپنے طریقے پر عبادت کر لو۔ بات چیت بھی ہُوئی۔ آخر بڑے پادری نے ایک اور امان نامہ لکھوایا۔ جس کی خاص دفعات یہ تھیں:

(۱) پادریوں، ان کے ماتحت یا دوسرے لوگوں کے ہاتھ میں جو کم یا زیادہ چیزیں ہیں، ان سب کو خدا و رسولؐ کی حفاظت حاصل ہو گی۔

(۲) گرجا کے عہدیداروں میں سے کسی کو بدلا نہ جائے گا۔ کسی

کے حق یا اختیارات میں دخل نہ دیا جائے گا۔
(۳۰) عہدیداروں کے لیے یہ لازم ہے کہ رعایا کے خیراندیش رہیں، نہ خود ظلم کریں نہ ظالم کا ساتھ دیں۔
رخصت ہوتے وقت انھوں نے عرض کیا کہ جزیہ وصول کرنے کے لیے کسی امانت دار آدمی کو ہمارے ساتھ بھیج دیجیے۔ رسولؐ پاک نے حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح کو بھیجا اور فرمایا کہ یہ شخص میری امت کا امین ہے۔

اسلامی نظام | یہ صرف گنتی کے وفدوں کی کیفیت ہے: انھیں سے باقی وفدوں کے حالات کا اندازہ کرلینا چاہیے۔ اس طرح اسلام عرب کے گوشے گوشے میں پھیل گیا اور خدائے پاک کا وہ وعدہ عملی شکل میں دنیا کے سامنے آگیا کہ لوگ گروہ در گروہ اور فوج در فوج خدا کے دین میں داخل ہوں گے۔ جیسے جیسے اسلام پھیلتا گیا، اسلامی نظام حکومت قائم ہوتا رہا۔ اس کے بہت سے شعبے تھے۔ مثلاً عام انتظامات کے لیے والیوں اور حاکموں کا تقرر، زکوٰۃ و جزیہ وصول کرنے کا بندوبست، غیرقوموں سے مصالحت، مسلمان قبیلوں میں جایدادوں کی تقسیم اور ان کے جھگڑوں کا انسداد، مقدمات کا فیصلہ، فوجوں کی آراستگی، نومسلموں کی امداد، شرعی مسائل کے بارے میں فتوے، جرموں کی سزائیں، مہمانداری، بنجر زمینوں کی آبادی، مسجدوں کی تعمیر، اماموں اور مؤذنوں کا تقرر۔ ایک نہایت ضروری محکمہ احتساب کا تھا۔ جس کے ذریعہ سے تمام کارکنوں کے کام کی پوری پوری نگرانی کی جاتی تھی۔ غرض

حکمرانی اور اصلاح اخلاق کی کوئی چیز باقی نہ رہی جس کا انتظام نہ کر دیا گیا۔ جو ملک ہزاروں قبیلوں میں بٹا ہوا تھا اور اس میں رات دن برائیاں اور جھگڑے ہوتے رہتے تھے، وہ پہلی مرتبہ ایک نظام کے ماتحت آیا۔ قبیلوں اور نسلوں کے سارے امتیازات مٹ گئے۔ صرف ایک رشتہ باقی رہ گیا اور وہ اسلام کا رشتہ تھا۔ یہ سب کچھ مدینہ منوّرہ کی دہ سالہ زندگی میں پورا ہوا اور رسولِ پاک جس مقصد کے لیے اس دنیا میں تشریف لائے تھے، وہ مقصد تکمیل کی آخری منزل پر پہنچ گیا۔

اکتیسواں باب

حجۃ الوداع

(۱)

پہلا حج ہجرت کے نویں سال حج فرض ہوا۔ یہ اسلام کا آخری رکن تھا۔ رسولؐ پاک نے حضرت ابو بکرؓ کو امیر حج بنا کر مکہ معظمہ بھیجا۔ تین سو صحابہ کو ساتھ جانے کا حکم دیا۔ حج کے موقع پر عرب کے ہر حصے سے لوگ مکہ مکرمہ آتے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ اور آپ کے ساتھیوں کو تاکید کر دی گئی کہ سب کو حج کا اسلامی طریقہ بتائیں اور اس کے مطابق حج کرائیں۔

عرب کے اکثر لوگ مسلمان ہو چکے تھے۔ بہت تھوڑے مشرک رہ گئے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ مدینے سے روانہ ہو چکے تو سورۂ برأت کی چالیس آیتیں نازل ہوئیں۔ جن میں یہ فرمایا گیا تھا کہ کوئی مشرک بیت اللہ کے قریب نہ آئے۔ رسولِ پاک نے یہ آیتیں اور ان کے ساتھ دوسرے احکام دے کر حضرت علیؓ کو مکہ مکرمہ بھیج دیا۔ انھوں نے سورہ برأت کی آیتیں بھی مجمع عام میں سنائیں اور رسولِ پاک کے فرمان کے مطابق یہ بھی بتا دیا کہ کوئی شخص برہنہ ہو کر طواف نہ کرے۔

حجۃ الوداع رسولِ پاک جو مشن لے کر آئے تھے وہ پورا ہو گیا تو آپؐ کو معلوم ہو گیا کہ اب اس دُنیا سے رحلت کا زمانہ قریب ہے۔ اس لیے ارادہ فرمایا کہ شریعت اور اخلاق کے تمام بنیادی اصول کا اعلان سب کے سامنے کر دیا جائے اس غرض کے لیے حج سے بہتر موقع کوئی نہیں ہو سکتا تھا، جب سارے عرب کے لوگ مکہ مکرمہ میں جمع ہوتے تھے۔

ہجرت کے دسویں سال ذو قعدہ کے مہینے (فروری ۶۳۲ء) میں اعلان ہوا کہ رسولِ پاک حج کے لیے تشریف لے جا رہے ہیں۔ یہ خبر جہاں جہاں پہنچی لوگ بے تاب ہو کر ہم رکابی کے لیے تیار ہو گئے۔ اس حج کو "حجۃ الوداع" بھی کہتے ہیں، اس لیے کہ رسولِ پاک امت سے رخصت ہوئے۔ "حج اکبر" بھی کہتے ہیں اس لیے کہ حج کے تمام ارکان خود رسولِ پاک کے سامنے آخری مرتبہ قائم ہوئے۔

مدینہ منورہ سے روانگی رسولِ پاک ۲۶ - ذو قعدہ کو (۲۳ - فروری ۶۳۲ء شنبہ کا دن) مدینہ منورہ سے نکلے اور چھ میل پر ذو الحلیفہ میں مقام فرمایا۔ اس مقام کو آج کل "آبارِ علی" کہتے ہیں۔ ازواجِ مطہرات بھی ساتھ تھیں۔ ۲۷ - ذو قعدہ کی صبح کو آپؐ نے غسل فرمایا۔ حضرت عائشہؓ نے اپنے ہاتھ سے جسمِ مبارک کو عطر لگایا، پھر دو رکعت نماز ادا کی، احرام باندھا اور اپنی سانڈنی "قصوا" پر سوار ہو کر

بلند آواز سے یہ الفاظ فرمائے :

لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ ، اَللّٰهُمَّ	ہم حاضر ہیں ، ہم حاضر ہیں ، اے
لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ	خدا! تیرے سامنے حاضر ہیں۔ تیرا
لَبَّيْكَ، اِنَّ الْحَمْدَ	کوئی شریک نہیں ، ہم حاضر ہیں ۔
وَالنِّعْمَةَ لَكَ	ہر تعریف اور ہر نعمت تیری ہی
وَ الْمُلْكَ لَكَ لَا	ہے ۔ سلطنت بھی صرف تیری ہے '
شَرِيْكَ لَكَ	تیرا کوئی شریک نہیں ۔

جہاں تک نظر جاتی تھی ، آگے پیچھے ، دائیں بائیں آدمی ہی آدمی تھے ۔ ہر زبان پر لبیک لبیک کی صدائیں جاری تھیں میدان اور پہاڑ گونج رہے تھے ۔

مکہ مکرمہ میں داخلہ ۳ ۔ ذوالحجہ (یکم مارچ ۶۳۲ء) کو آپؐ سرف پہنچے جو مکہ مکرمہ سے چھ سات میل پر ہے ۔ ۴ ۔ ذوالحجہ کو اتوار کے دن صبح کے وقت مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے ۔ کعبے پر نظر پڑی تو فرمایا : " اے خدا اس گھر کو زیادہ عزت اور شرف عطا کر " طواف کے بعد مقام ابراہیم میں دو رکعت نماز ادا کی ۔ پھر کوہ صفا پر پہنچے ۔ وہاں سے کعبے کو دیکھا تو فرمایا :

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ	خدا کے سوا کوئی معبود نہیں ، وہ
لَا شَرِيْكَ لَهٗ ، لَهُ	اکیلا ہے ، اس کا کوئی شریک نہیں
الْمُلْكُ وَ لَهُ الْحَمْدُ	ملک اور حمد اسی کے لیے ہے ۔ وہی
يُحْيِيْ وَ يُمِيْتُ وَهُوَ	جلاتا ہے ، وہی مارتا ہے ۔ وہ تمام
عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْر	چیزوں پر قادر ہے ۔ کوئی معبود نہیں

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ مگر اکیلا خدا۔ اس نے اپنا وعدہ پورا
اَنْجَزَ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ کیا، اپنے بندے کی مدد کی اور اکیلے
وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ سب گروہوں کو شکست دے دی۔

منےٰ اور عرفہ کوہِ صفا سے مروہ پہنچے۔ دعائیں بہ دستور زبان مبارک پر جاری تھیں۔ سعی سے فارغ ہوکر آپؐ نے حکم دے دیا کہ جن کے ساتھ قربانی کے جانور نہیں ہیں وہ احرام اتار دیں۔ چونکہ آپؐ کے ساتھ قربانی کے جانور تھے، اس لیے احرام نہیں اتارا اور پہلے ہی احرام میں ۸۔ ذوالحجہ کو منےٰ تشریف لے گئے۔ جنھوں نے احرام اتار دیا تھا انھوں نے ۸۔ کو نئے سرے سے احرام باندھا۔

۹۔ ذوالحجہ کو آپؐ منےٰ سے عرفات پہنچے۔ جمعہ کا دن تھا۔ میدان عرفات میں ایک مقام نمرہ ہے، جہاں اب مسجد بنی ہوئی ہے اور اس مسجد کا نام مسجد نمرہ ہے، اس جگہ آپؐ نے کمبل کے خیمے میں قیام فرمایا۔ دوپہر ڈھل گئی تو قصوا پر سوار ہوکر میدان میں تشریف لائے۔ سواری کی حالت ہی میں خطبہ ارشاد فرمایا۔

عالمگیر مساوات خطبے میں سب سے پہلے آپؐ نے فرمایا کہ میں جاہلیت کی تمام رسموں کو مٹاتا ہوں۔ پھر ارشاد ہُوا:

لوگو! آگاہ ہو جاؤ کہ تمھارا رب ایک ہے۔ تمھارا باپ ایک ہے (یعنی آدمؑ) ہاں، عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر، گورے کو کالے پر اور کالے کو گورے پر کوئی

فضیلت نہیں، مگر صرف تقوے اور پرہیزگاری کی بنا پر۔"

یہ اس حقیقت کا اعلان تھا کہ فضیلت اور برتری، نہ خاندان پر موقوف ہے، نہ نسل پر، نہ خون پر اور نہ رنگ پر، نہ کسی خاص ملک اور قوم کا باشندہ ہونا اس بارے میں معیار بن سکتا ہے۔ نہ اچھا لباس، عالی شان مکان یا دولت و ثروت سے بڑائی مل سکتی ہے۔ بڑائی کا معیار صرف حسن عمل اور فضیلت اخلاق ہے۔ دنیا جب سے پیدا ہوئی تھی انسانیت کے اس حقیقی جوہر کی برتری کا یہ پہلا اعلان تھا۔ اس کے ساتھ ہی فرمایا:

دیکھو ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور تمام مسلمانوں کے درمیان باہم برادری کا رشتہ ہے۔

نوکر ہو یا آقا، غریب ہو یا امیر، محکوم ہو یا حاکم، مسلمانوں میں حقیقتہً کوئی امتیاز نہیں۔ وہ سب ایک سطح پر ہیں، ان سب کے دلوں میں ایک دوسرے کے ساتھ بھائیوں کی سی محبت ہونی چاہیے۔

جان مال اور آبرو کا پاس انسان کی اجتماعی زندگی کی بنیادیں صرف تین ہیں: جان کا پاس، مال کی حفاظت اور آبرو کا احترام۔ انسانوں کے تمام جھگڑوں کی بنیاد جان، مال اور آبرو کے بارے میں کم یا زیادہ بے احتیاطی کے سوا کیا ہے؟ رسولؐ پاک نے ان تین چیزوں کو بھی حفاظت کی

آخری حد پر پہنچا دیا۔ فرمایا:

لوگو! تمھارے خون، تمھارے مال اور تمھاری آبروئیں قیامت تک کے لیے اس عزت و حرمت کی مستحق ہیں، جس طرح تم آج کے دن (یوم حج) کی، اس مہینے (ذوالحجہ) کی اور اس شہر (مکہ مکرمہ) کی حرمت کرتے ہو۔

امن و سلامتی کی راہ عربوں میں بدلے کا دستور بڑا سخت تھا ایک خون ہو جاتا تو انتقام کا کبھی ختم نہ ہونے والا سلسلہ شروع ہو جاتا۔ صرف عرب ہی میں نہیں بلکہ دُنیا بھر میں غلاموں اور غلاموں کے ساتھ بہت بُرا برتاؤ کیا جاتا تھا۔ سود اور سود در سود کے طریقے نے ضرورت مندوں کے لیے زندگی اجیرن بنا رکھی تھی۔ عورتوں کے جائز حقوق کا کوئی خیال نہیں رکھا جاتا تھا۔ ایسے ہی طریقوں سے امن و سلامتی کی راہ ظلم و جبر کے اندھیرے میں گم ہو گئی تھی۔ آپؐ نے فرمایا:

(۱) میں زمانہ جاہلیت کے تمام خون (یعنی خون کا بدلہ) آج مٹا رہا ہوں اور سب سے پہلے اپنے خاندان میں سے ربیعہ بن حارث کے بیٹے کا خون باطل کرتا ہوں۔

(۲) میں جاہلیت کے تمام سودوں کو باطل قرار دیتا ہوں اور سب سے پہلے اپنے خاندان میں سے عباس بن عبدالمطلب کا سود ختم کرتا ہوں۔

(۳) اپنے غلاموں (خادموں) کا خیال رکھو، اپنے غلاموں (خادموں) کا خیال رکھو، جو خود کھاؤ، وہی ان کو کھلاؤ، جو خود پہنو، وہی ان کو پہناؤ۔

(۴) عورتوں کے بارے میں خدا سے ڈرو۔ تمھارے حق عورتوں پر ہیں، عورتوں کے حق تم پر ہیں۔

ضروری امور | پھر فرمایا:

(۱) عورتوں کے لیے جائز نہیں کہ اپنے شوہروں کے مال میں سے کوئی چیز ان کی اجازت کے بغیر دیں۔

(۲) قرض ادا کیا جائے۔

(۳) جو چیز اُدھار لی جائے وہ واپس کی جائے۔

(۴) کوئی عطیہ دے تو اس کے بدلے میں عطیہ دو۔

(۵) ضامن تاوان کا ذمہ دار ہے۔

(۶) مَیں تم میں ایک چیز چھوڑے جاتا ہوں، اسے مضبوطی سے پکڑے رہوگے تو گمراہ نہیں ہوگے۔ یہ اللہ کی کتاب (قرآن پاک) ہے۔

تبلیغ حق کی شہادت | آخر میں سب سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"تم سے میرے بارے میں پوچھا جائے گا، بتاؤ تم کیا جواب دوگے؟" صحابہ نے عرض کیا: "ہم کہیں گے کہ آپ نے خدا کا پیغام پہنچا دیا اور اپنا فرض ادا کر دیا۔" آپؐ نے آسمان کی طرف اُنگلی اُٹھائی اور فرمایا:

"خدایا! گواہ رہیو"، "خدایا! گواہ رہیو" "خدایا! گواہ رہیو"

دین کی تکمیل | عین اس موقع پر یہ آیت اتری:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ؕ

آج کے دن میں نے تمھارے دین کو تمھارے لیے کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمھارے لیے اسلام کا دین ہونا پسند فرمایا۔

خطبے کا انداز صاف بتا رہا تھا کہ آپؐ خدا کے حکم کے مطابق تئیس برس سے جو نقشہ تیار فرما رہے تھے، اس میں جہاں جہاں جو جو رنگ بھرے جانے والے تھے، بھرے گئے۔ میدان عرفات میں اس وقت لاکھ ڈیڑھ لاکھ بندگانِ خدا جمع تھے۔ وہ سر سے پاؤں تک اس بات کے گواہ تھے کہ پیغامِ حق پہنچا دیا گیا۔ آسمان نے بھی دین کے کامل ہونے اور نعمت کے پورے ہونے کی گواہی دے دی۔ اسی دین اور اسی نعمت پر قیامت تک کے لیے دنیا و آخرت کی بھلائی موقوف رہ گئی۔ اسی لیے فرمایا گیا کہ میں نے تمھارے لیے اسلام کا دین ہونا پسند فرمایا۔

عرفات سے واپسی | خطبے سے فارغ ہو کر آپؐ نے حضرت بلالؓ کو اذان کا حکم دیا۔ ظہر اور عصر کی نمازیں اکٹھی ادا کیں۔ پھر قصوا پر سوار ہو کر جبل رحمت کے پاس آئے اور دیر تک قبلہ رو ہو کر دعا فرماتے

رہے۔ آفتاب غروب ہونے لگا تو وہاں سے چلنے کی تیاری فرمائی۔ انسانوں کا سمندر تھا جو موجیں مارتا ہوا ساتھ ساتھ چلا جا رہا تھا۔ آپؐ کوڑے سے اشارہ کرتے چلے جا رہے تھے اور آہستہ آہستہ فرما رہے تھے:

"لوگو! سکون کے ساتھ چلو، لوگو! سکون کے ساتھ چلو"

بتیسواں باب

حجۃ الوداع

(۲)

مزدلفہ میں قیام آپؐ عرفات سے چل کر مزدلفہ پہنچے۔ مغرب کی نماز پڑھی۔ لوگوں نے سواریاں بٹھائیں۔ ابھی سامان کھولنے نہیں پائے تھے کہ عشا کی اذان ہوئی۔ نماز سے فارغ ہوکر آپؐ لیٹ گئے اور صبح تک آرام فرمایا۔ یہی ایک رات ہے جس میں آپؐ تہجد کے لیے نہ اُٹھے۔ صبح کو جماعت کے ساتھ نماز ادا فرمائی۔ قریش نے یہ دستور بنالیا تھا کہ جب سورج نکل آتا تو مزدلفہ سے منیٰ کی طرف روانہ ہوتے۔ رسولؐ پاک نے اس دستور کے خلاف سورج نکلنے سے پہلے کوچ فرمایا۔

دین میں غلو سے بچو منیٰ پہنچے۔ ابن عباس نے کنکریاں چن دیں اور آپؐ نے کنکریاں پھینکیں۔ ساتھ ہی لوگوں سے مخاطب ہوکر فرمایا۔

دین میں مبالغے سے بچو، (یعنی حد سے آگے نہ بڑھو) کیونکہ تم سے پہلے جو قومیں تھیں وہ غلو ہی کی وجہ سے برباد ہوئیں۔

یہ بھی فرماتے جاتے تھے کہ لوگو! مجھ سے حج کے مسائل سیکھ لو۔ شاید اس کے بعد مجھے حج کی نوبت نہ آئے۔

لوگ آتے اور جو کچھ پوچھتے آپ عادت شریف کے مطابق نرمی اور ملائمت سے بتا دیتے۔

قربانی اور طواف آپؐ کے ساتھ قربانی کے سو اُونٹ تھے۔ قربان گاہ میں پہنچ کر ترسٹھ اُونٹ اپنے دستِ مبارک سے ذبح کیے۔ اس وقت عمر مبارک بھی ترسٹھ برس ہی کی تھی۔ شاید یہی خیال ہو کہ سنین عمر کے برابر اونٹ دستِ مبارک سے ذبح ہوں۔ سینتیس اُونٹ حضرت علیؓ کے سپرد فرمائے۔ کہ وہ ذبح کریں۔ پھر سر کے بال منڈلائے اور کچھ بال ان لوگوں کو عنایت فرمائے جو پاس بیٹھے تھے۔ ان میں سے ابو طلحہؓ انصاری اور ان کی بیوی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ابو طلحہؓ نے ایک ایک دو دو بال مسلمانوں میں تقسیم کر دیے۔

قربانی سے فارغ ہو کر مکہ مکرمہ تشریف لائے، طواف کیا، پھر زمزم کے پاس آئے۔ زمزم سے پانی پلانے کی خدمت خاندان عبدالمطلب کے ذمے تھی۔ وہ لوگ پانی نکال نکال کر پلا رہے تھے۔ آپؐ نے فرمایا: "اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ اور لوگ بھی تم سے ڈول چھین کر اپنے ہاتھ سے پانی نکالنے کی کوشش کریں گے۔

تو میں خود پانی نکال کر پیتا"۔ حضرت عباسؓ نے پانی پیش کیا۔ آپؐ نے قبلہ رُخ ہو کر پیا۔ پھر منیٰ تشریف لے گئے۔

منیٰ میں قیام اور خطبے

منیٰ میں رسولؐ پاک نے تین دن گزارے یعنی دسویں، گیارھویں اور بارھویں تاریخ، اس مدت میں آپؐ نے دو مرتبہ خطبے دیے۔ ان میں بعض باتیں نئی تھیں، بعض وہی تھیں جو نویں تاریخ کو عرفات کے خطبے میں ارشاد فرما چکے تھے۔ اہمیت کا لحاظ فرماتے ہوئے انھیں دوہرا دیا۔

پرانا عہد ختم ہو چکا تھا۔ نئے دور کا سورج نکل آیا تھا۔ نئی شریعت، نئے نظام اور نئے عہد کا آغاز ہو چکا تھا۔ اس لیے فرمایا: "زمانہ پھر پھرا کر اسی نقطے پر آگیا، جس نقطے پہ آسمان اور زمین کی پیدائش کے وقت تھا۔"

جان، مال اور آبرو

جان، مال اور آبرو کے متعلق عرفات کے خطبے میں واضح طور پر ارشاد فرما چکے تھے۔ لیکن معاملہ بڑا اہم تھا، اس لیے منیٰ کے خطبے میں اس بیان کو نئے انداز میں دہرایا۔ لوگوں سے پوچھا: "کچھ معلوم ہے آج کون سا دن ہے؟" انھوں نے عرض کیا: "خدا اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں"۔ آپؐ نے سکوت کے بعد فرمایا: "کیا آج قربانی کا دن نہیں؟" لوگوں نے

عرض کیا: "بے شک۔" پھر فرمایا: "یہ کون سا مہینہ ہے؟"
لوگوں نے پھر جواب دیا: کہ خدا اور اس کا رسولؐ بہتر جانتے ہیں۔" آپؐ نے فرمایا: "کیا یہ حج کا مہینہ نہیں؟"
لوگوں نے عرض کیا: "بے شک۔" پھر فرمایا: "یہ کون سا شہر ہے؟" لوگوں نے پھر جواب دیا کہ خدا اور اس کا رسولؐ بہتر جانتے ہیں۔" آپؐ نے فرمایا: "کیا یہ حرمت والا شہر (مکہ مکرمہ) نہیں؟" لوگوں نے عرض کیا: "بے شک"
اس طرح دن، مہینے اور شہر کی حرمت لوگوں کے ذہن میں بٹھا کر فرمایا:

تمھارے خون، تمھارے مال اور تمھاری آبروئیں قیامت تک کے لیے اسی طرح حرمت کی مستحق ہیں، جس طرح آج کا دن، یہ مہینہ اور یہ شہر حرمت والے ہیں۔

خانہ جنگی سے بچو! قوموں کو ہمیشہ باہمی لڑائیوں اور خانہ جنگیوں نے تباہ کیا۔ آپؐ نے فرمایا:

دیکھو! میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگ جاؤ۔ تمھیں عنقریب خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے، وہ تم سے تمھارے اعمال کی باز پرس کرے گا۔

یہی گمراہی تھی جس سے رسولؐ پاک نے امت کو بچے رہنے کی خاص ہدایت حجۃ الوداع کے موقع پر فرمائی تھی۔ افسوس کہ امت نے اس ہدایت کو آگے چل کر بھلا دیا۔

اور دنیا کی امامت کے منصب پر پہنچنے کے بعد وہ صرف اسی گمراہی کے باعث نیچے گری۔

جرم اور مجرم دُنیا کی ایک بہت بڑی گمراہی یہ تھی کہ ایک کے گناہ کی بنا پر دوسرے کو بے سبب گناہگار گردان لیا جاتا تھا۔ مثلاً اگر ایک خاندان میں کسی ایک سے جرم سرزد ہوتا تو پورے خاندان کو گناہگار سمجھ لیا جاتا۔ آپؐ نے فرمایا:

دیکھو! مجرم اپنے جرم کا ذمہ دار ہے۔ باپ کا گناہ بیٹے پر نہ ڈالا جائے اور بیٹے کا گناہ باپ پر نہ ڈالا جائے۔

امیر کی اطاعت جماعت کا ربط و ضبط امیر کی اطاعت پر موقوف ہے اور اطاعت کی بنیاد امیر کا حکم نہیں، اس کی مرضی نہیں، صرف خدا اور اس کے رسولؐ پاک کی فرمانبرداری ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

اگر کوئی نکٹا حبشی تمہارا امیر ہو اور وہ تم کو خدا کی کتاب کے مطابق لے چلے تو اس کی بات سُنو اور فرمانبرداری کرو۔

دیکھیے یہاں بھی فیصلے کی بنیاد خدا کی کتاب اور اس کے احکام ہیں۔ امیر کی نسل، قوم، رنگ یا وضع قطع نہیں۔

جنت کا راستہ آخر میں فرمایا:

لوگو! نہ تو میرے بعد کوئی نبی آئے گا۔ نہ نئی امت پیدا ہوگی۔ خوب سُن لو۔ اپنے پروردگار کی عبادت کرو۔ پانچوں وقت نماز پڑھو، رمضان کے روزے رکھو، مالوں کی زکوٰۃ خوشی خوشی دو۔ خانہ کعبہ کا حج کرو۔ اپنے حاکموں کے فرمانبردار رہو۔ اس کی جزا یہ ہے کہ تم اپنے پروردگار کی جنّت میں داخل ہو جاؤ گے۔

خوب یاد رکھو کہ حاکموں کی فرمانبرداری صرف ان باتوں میں جائز ہے جو خدا اور اس کے رسولؐ پاک کی رضا اور سنّت کے مطابق ہوں۔ ان کے خلاف دُنیا کے کسی انسان کی فرمانبرداری جائز نہیں۔

خدایا گواہ رہیو یہ فرما چکے تو پھر عرفات والے خطبے کی طرح لوگوں سے پوچھا کہ "قیامت کے دن میرے بارے میں پوچھا جائے گا تو تم کیا کہو گے؟" لوگوں نے عرض کیا۔ "ہم کہیں گے کہ آپؐ نے پیغام حق پہنچایا۔" آپؐ نے تین مرتبہ فرمایا: "خدایا گواہ رہیو" نیز کہا: "جو لوگ موجود ہیں وہ ساری باتیں ان کو پہنچا دیں جو موجود نہیں ہیں۔"

خطبہ غدیر خم ۱۴۔ ذوالحجہ کو آپؐ مکے سے روانہ ہوئے۔ راستے میں کئی منزلیں ہوئیں۔ ایک مقام کا نام "خم" تھا، جہاں ایک تالاب تھا۔ اس کا نام غدیر خم (یعنی خم کا تالاب)

مشہور تھا۔ وہاں آپؐ نے پھر ایک خطبہ دیا۔ حمد و ثنا کے بعد فرمایا:
لوگو! مَیں بھی انسان ہوں۔ ممکن ہے خدا کا فرشتہ جلد آجائے
اور مجھے قبول کرنا پڑے (یعنی اس دُنیا سے رُخصت ہو جاؤں)
میں تمھارے درمیان دو بڑی چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔
ایک خُدا کی کتاب جس میں ہدایت اور نور ہے۔ خدا کی کتاب
کو مضبوطی سے پکڑے رہو۔ دوسری چیز میرے اہل بیت
ہیں۔ مَیں اپنے اہل بیت کے بارے میں تمھیں خدا کو یاد
دلاتا ہوں۔

حضرت علیؓ سے محبت | بعض روایتوں میں کچھ اور فقرے ہیں مثلاً:
جو مجھ سے پیار کرتا ہے اسے علیؓ کو بھی پیار کرنا چاہیے۔
خدایا! جو علیؓ سے محبت رکھے، تو بھی اس سے محبت رکھ،
جو علیؓ سے عداوت رکھے تو بھی اس سے عداوت رکھ۔"
اس ارشاد کی ضرورت یوں پیش آئی کہ حضرت علیؓ نے
یمن میں جو انتظامات کیے تھے، ان میں سے بعض کے متعلق
ایک شخص کو غلط فہمی پیدا ہو گئی اور اُس نے رسولؐ پاک
کے پاس شکایت کی۔ یہ اس شخص کی سخت غلطی تھی۔ رسولِ پاکؐ
نے اُوپر کے الفاظ بیان فرما کر اس کی غلطی واضح فرما دی۔

تینتیسواں باب

رسولؐ پاک کا وصال

قریبِ رحلت کے نشان رسولؐ پاک کا مشن پورا ہو چکا تھا۔ نبوت کا کارِ عظیم اپنی آخری منزل پر پہنچ گیا تھا۔ اب اس دنیا سے رحلت کا وقت قریب آگیا۔ اس سلسلے میں پہلی اطلاع غالباً سورۂ نصر کے ذریعہ سے ہوئی جس میں دین کے غلبے اور کامیابی کی بشارت کے ساتھ ساتھ فرمایا گیا تھا کہ "فسبح بحمد ربک واستغفرہ" (خدائے پاک کی حمد کی تسبیح پڑھ اور استغفار کر) حج کے خطبات میں بھی کئی اشارے ایسے تھے، جن سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ اب آپؐ اس دُنیا سے تشریف لے جانے والے ہیں۔ خطبہ غدیرِ خم میں بھی ایسے اشارے موجود تھے۔ صفر ۱۱ھ (اپریل ومئی ۶۳۲ء) میں آپ احد تشریف لے گئے۔ جنگ احد کے گنج شہیداں پر نماز پڑھی اور ان کے لیے دعائے خیر فرمائی۔ پھر آکر خطبہ دیا جس میں فرمایا:

میں تم سے پہلے حوض پر جا رہا ہوں ..... مجھے تمام دنیا کے خزانوں کی کنجیاں دے دی گئی ہیں۔ یہ ڈر نہیں کہ میرے بعد مشرک ہو جاؤ گے البتہ یہ اندیشہ ہے کہ میرے بعد تم دنیا میں نہ مبتلا ہو جاؤ اور اس کے لیے آپس میں

کشت و خون نہ کرو، پھر اسی طرح ہلاک ہو جاؤ، جس طرح تم سے پہلی قومیں ہلاک ہوئیں۔

جنت البقیع میں دعا صفر ہی کے مہینے میں ایک روز آپؐ آدھی رات کو جنت البقیع تشریف لے گئے جو مدینے کے پاس مسلمانوں کا گورستان تھا۔ وہاں جاکر اموات کے لیے دعا فرمائی، پھر ایک خطبہ دیا جس میں فرمایا:

مسلمانو! اللہ تم کو اپنی رحمت میں رکھے، تمھاری شکستہ دلی کو دُور فرمائے، تم کو رزق دے، تمھاری مدد کرے، سربلندی بخشے، امن و امان میں رکھے۔ میں تم کو پرہیزگاری کی وصیت کرتا ہوں اور اللہ ہی کو تمھارا خلیفہ بناتا ہوں۔ تم کو اسی سے ڈراتا ہوں اس لیے کہ میں کھلا ہُوا ڈرانے والا ہوں۔ دیکھنا، خُدا کی بستیوں میں اور اس کے بندوں میں تکبر اور برتری اختیار نہ کرنا، ...... سلام تم پر اور ان پر جو اسلام کے ذریعے سے میری بیعت میں داخل ہوں گے۔

یہ سب باتیں پتہ دے رہی تھیں کہ آپؐ اب اس دُنیا سے تشریف لے جانے والے ہیں۔

مرض کا آغاز آپؐ ایک جنازے سے تشریف لا رہے تھے۔ راستے ہی میں دوران "سر شروع ہوگیا۔ پھر سخت بخار آگیا، اتنا سخت کہ بدن مبارک پر ہاتھ رکھنا مشکل تھا۔ اس حالت میں بھی آپؐ باری باری ایک ایک بیوی کے

حجرے میں تشریف لے جاتے رہے۔ جب مرض بہت بڑھ گیا تو ازواج نے خوشی سے خود بخود اجازت دے دی کہ حضرت عائشہؓ کے حجرے میں رہیں۔ مرضی مبارک بھی یہی تھی۔

مرض کی زیادتی جب تک جسم مبارک میں آنے جانے کی طاقت رہی، بیماری کی شدّت کے باوجود مسجد میں نماز پڑھاتے رہے۔ وصال سے چار روز پہلے مغرب کی نماز پڑھائی تو سر مبارک پر کپڑا بندھا ہُوا تھا۔ عشا کا وقت ہوا اور غسل فرمایا۔ اُٹھنا چاہا تو غش آگیا۔ افاقہ ہُوا تو پوچھا۔ "نماز ہو چکی؟" عرض کیا گیا کہ آپؐ کا انتظار ہے۔ پھر غسل فرمایا۔ اُٹھنا چاہا تو پھر غش آگیا۔ اس کے بعد تیسری دفعہ غسل فرمایا۔ لیکن جب اُٹھنے کا ارادہ فرمایا تو پھر غش آگیا۔ اب کی بار افاقہ ہُوا تو فرمایا: "ابو بکرؓ نماز پڑھائیں"۔

مسجد میں آخری خطبہ وصال سے غالباً تین روز پہلے ظہر کے وقت طبیعت ذرا سنبھلی۔ حکم کے مطابق پانی کی سات مشکیں آپؐ پر ڈالی گئیں۔ غسل فرما چکے تو حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ تھام کر مسجد میں لائے۔ حضرت ابو بکرؓ نماز شروع کر چکے تھے۔ آہٹ پا کر پیچھے ہٹے۔ آپؐ نے روکا اور ان کے پہلو میں بیٹھ کر نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد فرمایا:

خدا نے اپنے بندے کو اختیار دیا کہ خواہ وہ دُنیا کو قبول کرے یا خدا کے پاس جو کچھ ہے وہ لے لے۔ اس نے خدا ہی کے پاس کی چیزیں قبول کیں۔

حضرت ابوبکرؓ یہ سُن کر رو پڑے اور کہا: "ہمارے ماں باپ، ہماری جانیں اور ہمارے مال آپؐ پر نثار ہوں"

اکثر صحابہ کو اس پر تعجب ہُوا کہ رسولؐ پاک تو ایک بندے کا واقعہ بیان فرما رہے ہیں۔ یہ رونے کا کون سا مقام ہے؟ لیکن حضرت ابوبکرؓ سمجھ گئے تھے کہ آپؐ نے اپنا ہی ذکر فرمایا ہے۔

حضرت ابوبکرؓ آپؐ نے پھر فرمایا:

مَیں جس کی دولت اور صحبت کا سب سے بڑھ کر ممنون ہُوں، وہ ابوبکرؓ ہیں۔ اگر مَیں اُمت میں سے کسی کو دوست بنا سکتا تو ابوبکرؓ کو بناتا۔ لیکن اسلام کا رشتہ دوستی کے لیے کافی ہے۔ مسجد کے رُخ جتنے دریچے ہیں، ان میں سے ابوبکرؓ کے دریچے کے سوا کسی کا دریچہ باقی نہ رکھا جائے۔

تم سے پہلی قوموں نے اپنے پیغمبروں اور بزرگوں کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیا، دیکھو تم ایسا نہ کرنا۔

انصار انصار کا ذکر کرتے ہُوئے فرمایا:

لوگو! مَیں انصار کے بارے میں تم کو وصیّت کرتا ہوں۔

عام مسلمان بڑھتے جائیں گے لیکن انصار اس طرح کم ہو کر رہ جائیں گے، جیسے کھانے میں نمک۔ وہ اپنا فرض ادا کر چکے۔ اب ان کے حقوق باقی رہ گئے ہیں۔ ان میں سے اچھا کام کرنے والوں کی قدر کرنا، جن سے خطا ہو اُنھیں معاف کر دینا۔

حرام و حلال اسلام کی برتری یہ ہے کہ وہ ہر حکم کو صرف خدا کی طرف سے مانتا ہے۔ پیغمبر کا کام یہ ہے کہ خدا کے حکم بندوں تک پہنچا دے اور ان پر عمل کا صحیح نمونہ پیش کر دے۔ آپؐ نے یہ نکتہ بھی واضح فرما دیا۔ ارشاد ہُوا:

دیکھو حرام و حلال کی نسبت میری طرف نہ کی جائے میں نے وہی چیز حلال کی جو خدا نے اپنی کتاب میں حلال کی اور اسی کو حرام کیا جسے خدا نے اپنی کتاب میں حرام قرار دیا۔

ذاتی اعمال آخر میں یہ نکتہ کھول کر بیان فرمایا کہ جزا اور سزا صرف ذاتی اعمال پر موقوف ہے۔ کوئی رشتہ، کوئی سفارش، کوئی نسبت نیک عمل کے بغیر کام نہیں دے سکتی۔ ارشاد ہُوا:

اے رسولؐ خدا کی بیٹی فاطمہؑ! اور اے رسولِ خدا کی پھوپھی صفیہؓ! خدا کے ہاں کے لیے کچھ کر لو۔ میں تمھیں خدا سے نہیں بچا سکتا۔

مملوکہ چیزیں بانٹ دیں وصال سے ایک روز پہلے آپؐ

نے تمام غلاموں کو آزاد فرما دیا۔ ان کی تعداد بعض روایات میں چالیس بیان کی جاتی ہے۔ گھر میں سات دینار موجود تھے، وہ غریبوں میں بانٹ دیئے اور اپنے گھر کی یہ حالت تھی کہ اس رات، جو اس دُنیا میں رسولِ پاک کی آخری رات تھی، چراغ کے لیے تیل نہیں تھا اور حضرت عائشہؓ نے پڑوس سے تھوڑا سا تیل عاریۃً لیا۔ دوسری جو چیزیں آپؐ کی ملکیت تھیں، مثلاً تلواریں اور کمانیں یا قصوا سانڈنی یا زمین یہ سب چیزیں مسلمانوں کو ہبہ فرما دیں۔ گویا اس دُنیا سے رخصت کا وقت آیا تو جو معمولی سامان صرف بقدر ضرورت بلکہ اس سے بھی کم آپؐ کے پاس تھا، اسے بھی نہ رکھا۔

حجرے ازواج کے حجرے البتہ موجود تھے۔ لیکن کیسے؟ ہر ایک چھ سات ہاتھ چوڑا، نو دس ہاتھ لمبا، مٹی کی دیواریں، جن میں شگاف پڑ گئے تھے اور دھوپ اندر آتی تھی۔ بارش ہوتی تو شگافوں کی جگہ کمبل لپیٹ دیئے جاتے۔ ان کی چھتیں کھجور کی تھیں۔ اُونچائی اتنی کہ آدمی کھڑا ہو کر ہاتھ لگائے تو چھت کو جا لگے۔ ایک ایک کوٹھڑی، نہ صحن نہ برآمدہ۔ یہ ازواج کے لیے بنے تھے، انھیں کے پاس رہے۔

صبحِ وصال رسولِ پاک کی بیماری کبھی بڑھ جاتی تھی، کبھی اس میں کمی معلوم ہونے لگتی تھی۔ دوشنبہ کے دن وصال ہوا۔ اس دن صبح کے [illegible] ظاہرا زیادہ خراب نہ تھی۔ حجرہ

مسجد سے ملا ہوا تھا۔ آپؐ نے پردہ اُٹھا کر دیکھا تو مسجد میں نماز ہو رہی تھی۔ یہ دیکھ کر چہرۂ مبارک پر مسکراہٹ لہریں مارنے لگی۔ آہٹ پا کر لوگوں نے سمجھا کہ شاید آپؐ مسجد میں تشریف لا رہے ہیں۔ آپؐ نے اشارے سے روکا، اور پردہ چھوڑ دیا۔ آپؐ کے خادم حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ چہرہ قرآن کا ورق معلوم ہوتا تھا یعنی ضعف کے باعث روئے مبارک پر سفیدی چھا گئی تھی۔

وصال جیسے جیسے دن چڑھتا گیا، بیماری بڑھتی گئی۔ بار بار آپؐ کو غش آتا تھا۔ حضرت فاطمہؓ یہ حالت دیکھ کر بےتابی سے بولیں: "آہ! میرے باپ کی بے چینی" آپؐ نے سُنا تو فرمایا: "تیرا باپ آج کے بعد بے چین نہ ہوگا۔" غش سے افاقہ ہوتا تو کبھی فرماتے:

مَعَ الَّذِینَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ — ان لوگوں کے ساتھ جن پر خدا نے انعام فرمایا۔

کبھی فرماتے:

اَللّٰھُمَّ فِی الرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی — خداوند بڑے رفیق ہیں۔

حضرت عبدالرحمٰن (ابن ابی بکر) آئے۔ ان کے ہاتھ میں مسواک تھی۔ آپؐ نے مسواک کو رغبت سے دیکھا۔ حضرت عائشہؓ نے نرم کر کے پیش کی۔ آپؐ نے تندرستوں کی طرح مسواک فرمائی، لیکن مزاج مبارک برابر بگڑتا گیا۔ سہ پہر کے وقت سینۂ مبارک میں سانس کی گھڑگھڑاہٹ محسوس ہوتی تھی۔

لب مبارک ہلے تو یہ الفاظ فرمائے :۔
الصلوٰۃ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ نماز اور لونڈیاں غلام
پانی پاس رکھا تھا۔ اس میں بار بار ہاتھ ڈالتے اور چہرۂ مبارک پر مل لیتے۔ یکایک ہاتھ اُٹھایا اور انگلی کے اشارے سے تین مرتبہ فرمایا :

بَلِ الرفیق الْاَعْلٰی — اب صرف خدا درکار ہے جو سب سے بڑا رفیق ہے۔

روح پاک بدن مبارک سے الگ ہو گئی۔ دوشنبہ کا دن تھا۔ ربیع الاوّل کی پہلی تاریخ تھی (۲۸۔ مئی ۶۳۲ء) قمری حساب سے ترسٹھ برس اور چار دن عمر پائی۔ آپؐ پر اور آپؐ کے آل و اصحاب پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے درود اور سلام ہو۔

چونتیسواں باب

تجہیز و تکفین

صحابہؓ کی حالت صحابہؓ کے لیے اس دُنیا کی سب سے بڑی خوشی اور راحت یہ تھی کہ آپؐ کے جمال مبارک سے آنکھیں ٹھنڈی ہوتی رہیں۔ وصال کی خبر سُنی تو ان پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ کئی ایسے تھے جن کو یقین نہیں آتا تھا کہ حضورؐ اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ صبح کی نماز کے بعد اپنے گھر چلے گئے تھے، جو مدینے سے میل ڈیڑھ میل پر ایک گاؤں میں تھا۔ ان کو خبر پہنچی تو آئے۔ سب سے پہلے حجرۂ مبارک میں گئے۔ کپڑا اُٹھا کر پیشانی مبارک کو بوسہ دیا اور کہا: "میرے ماں باپ آپؐ پر قربان! خدا کی قسم، خدا آپؐ پر دو موتیں وارد نہیں کرے گا۔ یہی ایک موت تھی جس کا ذائقہ چکھ چکے۔"

محمدؐ خدا کے رسول ہیں اس کے بعد باہر نکلے۔ مسجد میں جا کر خطبہ دیا، اس میں فرمایا:

لوگو! تم میں سے اگر کوئی شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عبادت کرتا تھا تو وہ اس دُنیا سے رخصت ہو گئے۔ جو خدا کی عبادت کرتے تھے، تو بے شک خدا زندہ ہے، اسے موت نہیں۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ ؕ اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓی اَعْقَابِکُمْ ؕ وَ مَنْ یَّنْقَلِبْ عَلٰی عَقِبَیْہِ فَلَنْ یَّضُرَّ اللّٰہَ شَیْئًا ؕ وَ سَیَجْزِی اللّٰہُ الشّٰکِرِیْنَ ۝

محمد تو ایک رسولؐ ہیں، ان سے پہلے بھی رسول ہو چکے ہیں۔ اگر وہ فوت ہو جائیں یا شہادت پائیں تو کیا تم اُلٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ اور جو پھر جائے گا وہ خدا کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا اور خدا شکر گزاروں کو اچھا بدلہ دینے والا ہے۔

اس آیت نے سب کی آنکھیں کھول دیں اور خدائے پاک کی رضا کے سامنے ہر گردن جھک گئی۔

غسل و تکفین

غسل کا وقت آیا تو فضلؓ بن عباسؓ اور اسامہؓ بن زیدؓ نے پردہ کیا۔ حضرت علیؓ نے غسل دیا۔ چونکہ ہر شخص اس شرف میں شریک ہونے کے لیے بیتاب تھا اور ہجوم ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ اس وجہ سے حضرت علیؓ نے اندر سے حجرے کے کواڑ بند کر لیے صرف اوسؓ بن خولی انصاری کو اندر بلا لیا۔ وہ پانی کا گھڑا بھر بھر کر لاتے تھے۔ حضرت عباسؓ اور ان کے ایک اور صاحبزادے بھی پاس تھے۔ پانی ڈالنے کے وقت حضرت علیؓ نے جسم مبارک کو سینے سے لگا رکھا تھا۔ کفن کے لیے تین سفید سوتی کپڑے استعمال کیے گئے۔

قبر مقدس

اب سوال پیدا ہوا کہ آپؐ کو کہاں دفن کیا جائے۔

حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ نبی جس مقام پر وفات پاتا ہے، وہیں دفن ہوتا ہے۔ چنانچہ جسم اطہر کو اٹھا کر اور بستر کو الٹ کر وہیں قبر کھودی گئی جہاں رُوح پاک بدن مبارک سے الگ ہوئی تھی۔ حجرے میں دفن کرنے کی ایک مصلحت یہ بھی تھی کہ لوگ فرطِ عقیدت سے قبر کو عبادت گاہ نہ بنالیں۔ ابوطلحہؓ انصاری نے مدینے کے رواج کے مطابق بغلی لحد کی قبر کھودی۔ چونکہ زمین میں نمی معلوم ہوتی تھی، اس لیے آپؐ کا بستر لحد میں بچھا دیا گیا۔

جنازہ کفن اور قبر سے فارغ ہوئے تو نماز جنازہ کا سلسلہ شروع ہوا۔ حجرے میں زیادہ سے زیادہ دس آدمی سما سکتے تھے۔ باری باری تھوڑے تھوڑے لوگ اندر جاتے اور اکیلے اکیلے نماز ادا کرکے باہر آتے۔ اس میں بڑی دیر لگی۔ پہلے مردوں نے نماز پڑھی پھر عورتوں نے، بعد میں بچوں نے۔ وصال اگرچہ پیر کے دن سہ پہر کو ہوا تھا لیکن تجہیز و تکفین، قبر کی کھدائی اور نماز جنازہ میں منگل کا پورا دن گزر گیا۔

تدفین منگل کی رات کو جسم مقدس لحد میں اُتارا گیا۔ اس خدمت کا شرف حضرت علیؓ، حضرت فضلؓ بن عباسؓ، حضرت اسامہؓ بن زیدؓ اور حضرت عبدالرحمٰنؓ ابن عوف نے پایا۔ اس طرح وہ پیکرِ نور ترسٹھ برس اور پانچ دن اس

دُنیا میں گزار کر پردۂ خاک میں نہاں ہُوا، جس کی کرنیں قیامت تک اس کائنات کو منوّر رکھیں گی، صلی اللہ علیہ وعلےٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلّم تسلیماً کثیراً کثیرا۔

حلیہ اقدس آپ کا قد میانہ تھا، نہ زیادہ لمبا نہ چھوٹا۔ بدن مبارک موزوں تھا، نہ زیادہ فربہ، نہ دُبلا۔ رنگ سفید و سُرخ تھا۔ پیشانی مبارک چوڑی، ابرو ملے ہُوئے۔ بینی مبارک لمبائی کی طرف مائل تھی۔ چہرہ ہلکا، دندان مبارک زیادہ ملے ہُوئے نہ تھے۔ گردن اُونچی، سر بڑا، سینہ چوڑا۔ سر کے بال نہ گھنگھریالے تھے اور نہ سیدھے۔ ریش مبارک گھنی تھی۔ آنکھیں سیاہ، پلکیں بڑی بڑی۔ سینۂ مبارک پر ناف تک باریک بالوں کی ہلکی سی لکیر تھی۔ شانوں اور کلائیوں پر بال تھے۔ ہتھیلیاں بھری ہُوئی اور چوڑی، کلائیاں لمبی، پاؤں کی ایڑیاں نازک اور سبک۔ پاؤں کے تلوے بیچ سے ذرا خالی تھے، یہاں تک کہ پانی نیچے سے نکل جاتا تھا۔

جمال مبارک صحابہؓ نے جمال مبارک کی جو روایتیں بیان کی ہیں، انھیں پڑھ کر روشن ہو جاتا ہے کہ آپؐ حُسن و خوبی کا نورانی پیکر تھے۔ ایک صحابیؓ کہتے ہیں، کہ ایک رات مطلع صاف تھا۔ چاند نکل آیا۔ میں کبھی آپؐ کو دیکھتا اور کبھی چاند پر نظر ڈالتا۔ آپؐ مجھے

چاند سے زیادہ خوبصورت معلوم ہوتے تھے۔ جسم مبارک کی جلد بے حد نرم اور ملائم تھی۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ مخمل اور ریشم سے بھی زیادہ نرم تھی۔ اور پسینے سے ایک قسم کی خوشبو نکلتی تھی، جو مشک و عنبر سے بھلی لگتی تھی۔ جب چہرۂ مبارک پر پسینے کے قطرے نمودار ہوتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ موتی ڈھلک رہے ہیں۔

مُہرِ نبوّت | دونوں شانوں کے بیچ میں گوشت ذرا ابھرا ہوا تھا۔ اس کی شکل گول تھی اور اس پر تل تھے اور تلوں پر بال اُگ آئے تھے۔ اسی کو مُہرِ نبوّت کہتے تھے۔ ایک صحابیؓ کہتے ہیں کہ یہ سرخ رنگ کا غدہ کبوتر کے انڈے کے برابر تھا۔

موئے مبارک | سر کے بال اکثر شانوں تک لٹکے رہتے تھے۔ مشرکین چونکہ مانگ نکالتے تھے، اس لیے ابتدا میں آپؐ مانگ نہیں نکالتے تھے۔ جب مشرکین نہ رہے تو مانگ نکالنے لگے۔ سر میں اکثر تیل ڈالتے تھے۔ تیسرے دن کنگھی کرتے تھے۔ آخری عمر میں ریش مبارک کے چند بال سفید ہو گئے تھے۔

رفتار و گفتار | رفتار تیز تھی۔ چلتے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی شخص ڈھلوان پر اتر رہا ہے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ جسم اقدس کا سایہ نہ تھا لیکن یہ روایتیں محدثین

کے نزدیک اعتبار کے قابل نہیں ہیں۔
گفتگو بہت ٹھہر ٹھہر کر کرتے تھے۔ ایک ایک فقرہ الگ الگ ہوتا۔ آواز بلند تھی۔ جن باتوں پہ زور دینا ہوتا، تین تین مرتبہ فرماتے۔ بات چیت نہایت شیریں اور دل آویز تھی۔ بات کرتے وقت نگاہ آسمان کی طرف ہوتی۔ خوش ہوتے تو آنکھیں نیچی ہو جاتیں۔ خوشی کے وقت چہرے پر مسکراہٹ دوڑ جاتی اور وہ چاند کی طرح دمکنے لگتا۔

لباس عام لباس میں تین کپڑوں کا ذکر آیا ہے۔ ایک تہمد، دوسرا قمیص، تیسرا چادر۔ عمامہ اکثر سیاہ رنگ کا ہوتا۔ اس کا شملہ کبھی کندھے پر ہوتا، کبھی پیچھے کی طرف، کبھی گردن مبارک سے لپیٹ لیتے۔ عمامے کے نیچے سر سے ملی ہوئی ٹوپی ضرور استعمال فرماتے۔ نعلین مبارک چپل کی وضع کے ہوتے تھے۔ یعنی ایک تلا اور اس میں تسمے لگے ہوئے۔ بچھونا چمڑے کا ایک گدا تھا، جس میں کھجور کے پتے بھرے ہوئے تھے اور چارپائی بان کی۔

طعام اچھا کھانا عمر بھر نہ کھایا۔ جو ہاتھ آتا غریبوں اور مسکینوں کو دے دیتے۔ کئی کئی دن تک چولھے میں آگ نہیں جلتی تھی۔ چپاتی کی صورت آپؐ نے کبھی نہ دیکھی۔ ویسے آپؐ کو سرکہ، شہد، حلوا اور روغن زیتون

بہت پسند تھے۔ سبزیوں میں سے کدو بہت مرغوب تھا۔
سالن میں کدو ہوتا تو اس کی قاشیں پیالے میں انگلیوں سے
ڈھونڈتے۔ عربوں میں ایک کھانے کا رواج تھا جو گھی،
پنیر اور کھجور سے پکایا جاتا تھا، یہ بھی آپؐ کو بہت
پسند تھا۔

خطابت داعی حق کی سب سے بڑی خصوصیت یہی ہونی
چاہیے کہ اس کے کلام میں زور، اثر اور دل پذیری ہو۔
رسولِ پاکؐ نے خود فرمایا کہ میں عرب میں سب سے زیادہ
فصیح ہوں۔ پھر فرمایا کہ مجھے جامع کلمات دے کر بھیجا گیا ہے۔
آپؐ کی تقریر کا انداز ان خطبوں سے واضح ہو سکتا ہے جو
ہم پہلے نقل کر چکے ہیں۔ خطبے پند و نصیحت اور عبرت
سے لبریز ہوتے تھے۔ چھوٹے چھوٹے فقرے لیکن سراسر
حکمت کے موتیوں سے بھرے ہوئے۔ مثال کے طور پر
تبوک والا خطبہ دیکھ لینا چاہیے یا وہ خطبے جو آپؐ نے
حجۃ الوداع میں فرمائے۔

معمولات نماز فجر پڑھ کر آپؐ جانماز پر بیٹھ جاتے اور
سورج اچھی طرح نکل آنے تک بیٹھے رہتے۔ جو آتا پاس
بیٹھ جاتا۔ یہ گویا دربار عام تھا۔ صحابہؓ خواب سناتے،
ہنسی خوشی کی باتیں سناتے، آپؐ صرف مسکرا دیتے۔
چاشت کے وقت کبھی چار، کبھی آٹھ رکعتیں پڑھتے۔
گھر جاتے تو پھٹے کپڑے سیتے، جوتا ٹوٹ جاتا تو اپنے

ہاتھ سے گانٹھ لیتے۔ دودھ دوہ لیتے۔

نمازِ عصر کے بعد ازواجِ مطہرات میں سے ایک ایک کے ہاں جاتے اور تھوڑی دیر ٹھہرتے۔ نمازِ مغرب کے بعد جس کے ہاں آرام فرمانے کی باری ہوتی، وہاں چلے جاتے۔ دوسری ازواج بھی وہیں جمع ہو جاتیں۔ نمازِ عشاء کے لیے مسجد میں جاتے، پھر گھر جا کر سو رہتے۔ نمازِ عشا کے بعد بات چیت پسند نہ تھی۔ سوتے وقت کوئی سورت پڑھ کر سوتے۔ آدھی رات کو یا پہر رات گئے جاگتے۔ مسواک فرماتے۔ وضو کرتے پھر عبادت میں مشغول ہو جاتے۔ ہمیشہ داہنی کروٹ سوتے اور دایاں ہاتھ رخسار مبارک کے نیچے رکھتے۔

پینتیسواں باب

ازواج و اولاد

حضرت خدیجہؓ رسول پاک کے ازواج مطہرات کی کیفیت یہ ہے: پچیس برس کی عمر میں آپؐ کا نکاح حضرت خدیجہؓ سے ہوا۔ یہ قریش کے اونچے گھرانے سے تھیں، جس کی رشتہ داری پہلے سے رسولِ پاک کے گھرانے سے تھی۔ دولت مند تھیں اور اپنے اخلاق کی پاکیزگی کے باعث "طاہرہ" کے لقب سے مشہور تھیں۔ نبوت کے دسویں سال حضرت خدیجہؓ نے مکہ معظمہ میں وفات پائی۔ پینسٹھ برس کی عمر پائی۔ جنت المعلیٰ میں دفن ہوئیں۔ حضرت ابراہیم کے سوا رسولِ پاک کی اولاد صرف حضرت خدیجہؓ سے ہوئی۔ ان کی زندگی میں حضورؐ نے دوسرا نکاح نہ کیا۔

حضرت عائشہؓ حضرت عائشہؓ حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی تھیں۔ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد آپؐ سے نکاح ہوا۔ رسولِ پاک کی بی بیوں میں سے صرف آپ کنواری تھیں۔ حضرت عائشہؓ کا حافظہ غیر معمولی تھا اور اس نکاح کا اصل مقصد یہی تھا کہ دینی مسائل خصوصاً عورتوں سے تعلق رکھنے والے مسائل امت تک پہنچ سکیں۔ چنانچہ

حضرت عائشہؓ سے دو ہزار دو سو دس حدیثیں روایت ہوئی ہیں۔ شرعی احکام کا ایک چوتھائی حصہ صرف انھیں کے ذریعہ سے امت کو پہنچا۔ رسولِ پاکؐ کے بعد سینتالیس برس زندہ رہیں۔ ۵۷ھ میں چھیاسٹھ برس کی عمر پاکر فوت ہوئیں۔

حضرت سودہؓ بنت زمعہ ان کی پہلی شادی سکران بن عمرو سے ہوئی تھی۔ وہ اسلام لائے، حبشہ ہجرت کی۔ حضرت سودہ بھی ساتھ تھیں۔ واپس آئے تو فوت ہو گئے اور حضرت سودہ بیوہ ہوگئیں۔ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد رسولِ پاکؐ نے ان سے نکاح کیا۔ بڑی سخی اور فیاض تھیں، حضرت عمرؓ کے زمانے میں وفات پائی۔

حضرت حفصہؓ حضرت عمرؓ کی صاحبزادی تھیں۔ ان کی شادی خنیسؓ بن حذافہ سے ہوئی تھی۔ وہ جنگ بدر میں زخمی ہوئے انھیں زخموں کی وجہ سے مدینے میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ رسولِ پاکؐ نے حفصہؓ سے خود نکاح کرلیا۔ ۴۵ھ میں وفات پائی۔

ام المساکین زینبؓ چونکہ غریبوں اور مسکینوں کو فیاضی سے کھانا کھلایا کرتی تھیں، اس لیے عام لوگوں میں ام المساکین کے لقب سے مشہور ہوئیں۔ پہلے عبداللہ بن جحش کے نکاح میں تھیں۔ عبداللہ جنگ احد میں شہید ہو گئے۔ رسولِ پاکؐ نے دلداری کے خیال سے خود زینب سے نکاح کرلیا۔ دو تین

مہینے بعد فوت ہوگئیں۔ صرف تیس برس کی عمر پائی۔ رسولؐ پاک نے خود جنازے کی نماز پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن کیا۔ حضرت خدیجہؓ کے بعد یہی بی بی تھیں جن کا انتقال رسولِ پاک کی زندگی میں ہوا۔

حضرت ام سلمہؓ یہ رسولِ پاک کے دودھ بھائی عبداللہ بن عبدالاسد کے نکاح میں تھیں، جن کی کنیت ابوسلمہ تھی اس وجہ سے بیوی جن کا نام ہند تھا، ام سلمہؓ مشہور ہوئیں ہجرت کے وقت انھوں نے جو تکلیفیں اور پریشانیاں اٹھائیں، ان کا حال ہم بیان کر چکے ہیں۔ ام سلمہؓ ایک برس تک بیٹے اور شوہر سے الگ رہیں۔ پھر تنہا مدینے پہنچیں۔ ابوسلمہؓ بڑے شہسوار تھے۔ احد میں زخمی ہوئے۔ اور جانبر نہ ہو سکے۔ ہجرت کے چوتھے سال وفات پائی۔ رسولِ پاک نے نماز جنازہ پڑھائی، تو نو تکبیریں کہیں۔ لوگوں نے پوچھا شاید سہو ہوا۔ رسولِ پاک نے فرمایا: ابوسلمہؓ ہزار تکبیر کے مستحق تھے۔

ام سلمہؓ بیوہ ہوگئیں تو رسولِ پاک نے خود نکاح کا پیغام دیا۔ حضرت ام سلمہؓ نے ۸۴ برس کی عمر پائی۔ ازواج میں سب سے آخر انھیں کا انتقال ہوا۔

حضرت زینبؓ حضرت زینبؓ رسولِ پاک کی پھوپھی کی بیٹی تھیں۔ ان کا نکاح رسولِ پاک نے اپنے آزاد کردہ غلام زیدؓ سے کر دیا تھا اور مدعا یہ تھا کہ اسلامی مساوات خوب قائم ہو جائے۔ اونچ نیچ کا کوئی خیال باقی نہ رہے۔ لیکن زیدؓ

اور زینبؓ کی طبیعتیں مل نہ سکیں اور آخر زیدؓ نے حضرت زینبؓ کو طلاق دے دی تو رسولِؐ پاک نے ان سے خود نکاح کر لیا۔

حضرت زینبؓ کی وجہ سے اسلامی مساوات قائم ہوئی اس لیے کہ قریش کے اونچے گھرانے کی صاحبزادی آزاد کردہ غلام سے بیاہی گئی۔ رسولِؐ پاک سے نکاح کے بعد منہ بولے بیٹوں کو حقیقی بیٹوں کی طرح سمجھنے کی رسم ختم ہوئی جو بالکل لغو اور بے اصل تھی۔

حضرت زینبؓ بہت فیاض تھیں، اس وجہ سے رسولؐ پاک نے انھیں "لمبے ہاتھ والی" یعنی زیادہ سخاوت کرنے والی فرمایا۔ رسولؐ پاک کے بعد ازواج میں سے سب سے پہلے انھیں کا انتقال ہُوا۔

حضرت جویریہؓ | حضرت جویریہؓ ایک قبیلے کے سردار کی بیٹی تھیں، جس کی لڑائی مسلمانوں سے ہوئی۔ جنگ میں جو لوگ گرفتار ہوئے ان میں جویریہؓ بھی تھیں، چونکہ یہ سردار کی بیٹی تھیں اس لیے رسولؐ پاک نے خود ان سے نکاح کر لیا۔ صحابہؓ نے یہ دیکھا تو اس قبیلے کے تمام گرفتار شدہ لوگ آزاد کر دیے۔ حضرت جویریہؓ نے ۵۰ھ میں وفات پائی۔

حضرت ام حبیبہؓ | ان کا نام رملہ تھا۔ اپنی بیٹی حبیبہؓ کی وجہ سے ام حبیبہؓ مشہور ہوئیں۔ ابو سفیان کی بیٹی اور امیر معاویہؓ کی بہن تھیں۔ ان کی شادی عبید اللہ بن جحش

سے ہوئی۔ ۔۔ اسلام لائے اور حبشہ ہجرت کی۔ ام حبیبہؓ بھی ساتھ تھیں۔ وہاں شوہر سے علیحدہ ہوگئیں۔ رسولِ پاک نے خود شاہ حبش کے ذریعہ سے نکاح کا پیغام بھیج دیا۔ ۴۴ھ میں وفات پائی۔

حضرت صفیہؓ | اصلی نام زینب تھا۔ یہودیوں کے قبیلے بنو نضیر کے سردار حی بن اخطب کی صاحبزادی تھیں۔ جنگِ خیبر میں گرفتار ہوئیں۔ صفیہ اس لیے مشہور ہوئیں کہ مالِ غنیمت کا جو بہترین حصّہ بادشاہ یا امام کے حصّے میں آتا تھا، اسے صفیہ کہا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہ اور حضرت زینبؓ نے رسولِ پاک کے عزیز ہونے کا دعوےٰ کیا، یہ گویا حضرت صفیہؓ پر ایک قسم کی چوٹ تھی۔ رسولِ پاک نے سُنا تو فرمایا: تم نے یہ کیوں نہیں کہا کہ ایک نبی (ہارون) میرے باپ تھے، ایک نبی (حضرت موسےٰؑ) میرے چچا تھے اور ایک نبی (رسولِ پاک) میرے شوہر ہیں۔ مجھ سے افضل کون ہو سکتا ہے؟

حضرت ماریہ قبطیہؓ | حضرت ماریہ قبطیہ کو مصر کے حاکم مقوقس نے اپنے ملک کے رواج کے مطابق بہ طور تحفہ بھیجا تھا۔ وہ بھی آپؐ کے حرم میں داخل ہوئیں۔ رسولِ پاک کے صاحبزادے ابراہیم انھیں کے بطن سے تھے۔

حسنِ معاشرت | رسولِ پاک کا ارشاد ہے کہ تم میں سے

اچھا وہ ہے جس کا برتاؤ گھر والوں کے ساتھ اچھا ہو۔ رسولِ پاک اس کائنات کے نیک ترین انسان تھے۔ اس وجہ سے سمجھ لینا چاہیے کہ ازواجِ مطہرات کے ساتھ حسن سلوک اور حسنِ معاشرت میں بھی آپؐ سے بہتر نمونہ نہیں مل سکتا۔

ازواج میں سب کی طبیعتیں اور مذاق ایک نہ تھا۔ پھر سب اونچے گھرانوں سے آئی تھیں، لیکن رسولِ پاک کے ہاں انھیں بہت ہی سادگی بلکہ فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرنی پڑی۔ ایک ایک جوڑے کے سوا کپڑے نہ تھے۔ کھانا بھی بہت معمولی تھا اور وہ بھی برابر نہ ملتا۔ لیکن رسولِ پاک کے حسنِ معاشرت نے ظاہرا عسرت اور تنگی کی اس زندگی کو خوشیوں کی بہشت بنا دیا تھا۔

انسانیت کا بہترین نمونہ رسولِ پاک اس دنیا میں خدا کی طرف سے ہدایت کا آخری پیغام لے کر آئے تھے۔ انبیا کے سرتاج تھے۔ آپؐ کی سیرت کو قرآن نے انسانیت کے لیے بہترین نمونہ قرار دیا۔ اس کے نہایت دلکش مرقعے ازواج مطہرات کے ساتھ حسن معاشرت میں ملتے ہیں۔ ازواج بعض اوقات نازک مزاجیاں بھی کرتی تھیں، رسولِ پاک بڑے تحمل سے انھیں برداشت فرماتے۔ ایک دفعہ حضرت عائشہؓ سے فرمایا: آؤ تیز چلنے میں مقابلہ کریں۔ حضرت عائشہؓ آگے نکل گئیں۔ دوسری مرتبہ ایسا ہی موقع آیا تو پیچھے رہ گئیں۔

ایک مرتبہ ازواجؓ سفر میں ساتھ تھیں۔ ساربان اونٹ تیز چلانے لگے تو فرمایا: "دیکھنا یہ آبگینے ہیں۔" عورتوں کے بارے میں حسن تصوّر کی اس سے بہتر مثال دُنیا میں نہیں مل سکتی۔ پھر رسولِؐ پاک نے عدل و انصاف کا جو نمونہ پیش فرمایا، وہ بھی بے مثال ہے اور صرف امت ہی نہیں بلکہ ساری دُنیا کے لیے حسن معاشرت کا بہترین سبق ہے۔

واقعہ تخییر | غالباً بعض ازواج نے کبھی کبھی نان و نفقہ کی مقدار بڑھانے کا خیال ظاہر کیا۔ رسولؐ پاک کو نہ ایسی چیزوں سے رغبت تھی اور نہ اپنی زندگی کے طریقوں میں کسی تبدیلی کو پسند فرماتے تھے۔ یہ بھی گوارا نہ تھا کہ کسی کو اس کی طبیعت اور رغبت کے خلاف فقر و فاقہ پہ مجبور کریں، اگرچہ وہ ازواجؓ ہی کیوں نہ ہوں۔ ان حالات میں آیت تخییر نازل ہوئی، یعنی وہ آیت جس میں ازواجؓ کو اختیار دے دیا گیا کہ دُنیا یا رسولِؐ پاک کی معیت میں سے ایک چیز اپنے لیے چُن لیں اس آیت کا ترجمہ یہ ہے:

اے پیغمبر! اپنی بیویوں سے کہہ دے کہ اگر تم کو دنیاوی زندگی اور اس کی زینتیں مطلوب ہیں تو آؤ میں تم کو جوڑے دے کر احسن طریق پر رخصت کر دوں۔ اگر تم کو خدا، رسول اور آخرت مطلوب ہے تو خدا نے تم میں سے نیکوکاروں کے لیے بڑا اچھا ثواب مہیّا

کر رکھا ہے۔

رسولِ پاک نے یہ آیت سب سے پہلے حضرت عائشہ کو سُنائی اور فرمایا کہ ماں باپ سے مشورہ کرکے جواب دینا۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ اس میں مشورے کی کیا بات ہے ؛ مَیں خُدا اور رسولؐ کو اختیار کرتی ہوں۔ تمام ازواج کا جواب یہی تھا۔

اولاد رسولِ پاک کے کل چھ بچے ہُوے : پانچ حضرت خدیجہؓ سے یعنی قاسمؓ، زینبؓ، رقیہؓ، ام کلثومؓ، فاطمۃ الزہراؓ چھٹے، ابراہیم حضرت ماریہؓ قبطیہ سے۔ بعض نے حضرت خدیجہؓ سے دو اور صاحبزادوں کا ذکر کیا ہے۔ ایک طاہر، دوسرے طیّب۔

صاحبزادے بچپن ہی میں فوت ہو گئے۔ سب سے بڑے قاسم تھے، جن کی عمر دو سال کی ہوئی۔ انھیں کی وجہ سے رسولِ پاک کی کنیت "ابو القاسم" پڑی۔ ابراہیم کی عمر وفات کے وقت سترہ یا اٹھارہ مہینے کی تھی۔

حضرت زینبؓ صاحبزادیاں جوانی کو پہنچیں۔ ان میں سب سے بڑی حضرت زینبؓ تھیں۔ ان کی شادی حضرت خدیجہؓ کی بہن کے بیٹے ابو العاص سے ہوئی تھی۔ وہ شروع میں اسلام نہیں لائے تھے۔ جنگ بدر میں رسولِ پاک کے خلاف لڑے اور گرفتار ہو گئے۔ رہائی کے وقت ان سے وعدہ لے لیا گیا تھا کہ حضرت زینبؓ کو مدینے بھیج دیں گے۔

انھوں نے وعدہ پورا کیا اور حضرت زینبؓ کو اپنے بھائی کے ساتھ روانہ کر دیا۔ مکے سے باہر نکلیں تو ایک دشمن نے نیزہ مار کر حضرت زینبؓ کو اونٹ سے نیچے گرا دیا۔ غرض حضرت زینبؓ مدینے آگئیں اور ابوالعاص پہلی حالت پر رہے۔ سنہ ۶ یا سنہ ۷ میں اسلام لائے۔ ایک سال بعد حضرت زینبؓ نے وفات پائی۔ ان کی یادگار صرف ایک لڑکی حضرت امامہؓ تھیں۔ رسول پاک امامہ سے بہت محبت کرتے تھے۔

حضرت رقیہؓ اور حضرت ام کلثومؓ ان دونوں کی شادیاں پہلے ابولہب کے بیٹوں سے ہوئی تھیں۔ رخصتی نہیں ہوئی تھی۔ جب اسلام کی دعوت شروع ہوئی تو ابولہب نے اسلام کے ساتھ دشمنی کو آخری حد پر پہنچا دیا۔ اپنے بیٹوں سے کہہ کر دونوں صاحبزادیوں کو طلاق دلا دی۔ رسولؐ پاک نے حضرت رقیہؓ کا نکاح حضرت عثمانؓ سے کر دیا۔ ہجرت حبشہ میں حضرت رقیہؓ حضرت عثمانؓ کے ساتھ تھیں۔ ان کے ایک بچہ پیدا ہوا، جس کا نام عبداللہ تھا۔ چھ برس کا ہو کر فوت ہوا۔ حضرت رقیہؓ مدینے پہنچ کر بیمار ہو گئیں۔ جنگ بدر کے موقع پر وفات پائی۔

سنہ ۳ میں رسولؐ پاک نے حضرت ام کلثومؓ کا نکاح حضرت عثمانؓ سے کر دیا۔ سنہ ۹ میں وہ بھی فوت ہو گئیں۔ ان دو نکاحوں کی وجہ سے حضرت عثمانؓ کا لقب ذوالنورین (دو نوروں والا) ہوا۔

حضرت فاطمۃ الزہرا ؑ رسولؐ پاک کی سب سے چھوٹی صاحبزادی تھیں اور سب سے پیاری تھیں۔ چال ڈھال اور عادات میں رسولؐ پاک سے بہت ملتی جلتی تھیں۔ مدینہ میں حضرت علیؑ سے نکاح ہوا۔ پانچ اولادیں ہوئیں: حسنؑ، حسینؑ، ام کلثومؑ، زینبؑ اور محسنؑ۔ ان میں سے محسن نے بچپن میں انتقال کیا۔

حضرت فاطمہؓ بے حد حیادار اور فیاض تھیں۔ رسولؐ پاک سے صرف چند ماہ بعد انتیس برس کی عمر میں وفات پائی۔ رضی اللہ تعالےٰ عنہا۔

چھبیسواں باب

اخلاق نبویؐ

(۱)

اخلاق اخلاق سے مراد ان فرائض اور حقوق کی بجاآوری ہے، جو انسانوں پر ایک دوسرے کے تعلق میں عائد ہوتے ہیں۔ والدین اور اولاد، شوہر اور بیوی، بھائیوں اور بہنوں، قریبی رشتہ داروں اور دوستوں، ہمسایوں اور ہم شہریوں، ہم وطنوں اور ہم جنسوں کے تعلق میں بیسیوں واجبات ہیں، جن کے پورا کرنے سے یہ زندگی امن و راحت کا بہشت زار بنتی ہے۔ ان کی بجاآوری میں جہاں خلل پیدا ہوگا، زندگی کی راحت میں خلل پڑ جائے گا۔

معیار داعی اور معلم کی زندگی کے دو پہلو ہیں: ایک یہ کہ ان حقوق و فرائض کے متعلق اس نے کیا تعلیم دی؟ کیا سکھایا؟ کن باتوں کا حکم دیا؟ کن باتوں سے روکا؟ دوسرے یہ کہ خود اس نے اپنی تعلیم کا کیسا عملی نمونہ پیش کیا؟ رسولؐ پاک ان دونوں پہلوؤں میں تاریخ عالم کی یگانہ شخصیت ہیں۔ آپؐ نے جس پاک تعلیم کی دعوت میں تیئیس برس کے دن اور راتیں بسر کیں، قرآن مجید کی شکل میں موجود ہے اور

اس پر عمل کا جو نمونہ پیش فرمایا، وہ حضرت عائشہؓ کے ارشاد کے مطابق یہ تھا کہ آپؐ اخلاق کے اعتبار سے چلتا پھرتا اور زندہ قرآن تھے۔ خود آپؐ نے فرمایا کہ میں اس غرض سے بھیجا گیا ہوں کہ اخلاق حسنہ کو اتمام کے درجے پر پہنچا دوں۔ یعنی انسانیت کا عقیدہ و عمل اس طرح سنور جائے کہ زمین و آسمان گواہی دیں کہ ہاں یہ آرائش اولاد آدمؑ کا حقیقی زیور ہے۔

ارکان اسلام | ارکانِ اسلام پر ذرا غور کیا جائے تو صاف معلوم ہو جائے گا کہ ان میں اخلاقی آرائش کی تمام بنیادی باتیں آگئی ہیں۔ مثلاً نماز کو دیکھو، اس کے لیے طہارت اور پاکیزگی ضروری ہے۔ جو شخص نماز کا پابند ہو ممکن نہیں کہ اس کا جسم اور لباس ہر لحظہ صاف ستھرا نہ رہے ممکن نہیں کہ اس کی طبیعت میں لطافت اور پاکیزگی کا خاص ملکہ پیدا نہ ہو جائے۔ پھر نماز خدا کی بہترین عبادت ہے۔ جو انسان دن میں پانچ مرتبہ خدا کے سامنے جھکتا ہے، اس میں عاجزی اور خدا ترسی ضرور پیدا ہو گی۔ [illegible] برے کاموں سے ہمیشہ بچے گا۔ اسی لیے فرمایا گیا کہ نماز برائیوں سے روکتی ہے۔ باجماعت نماز بھائیوں کے ساتھ ہمدردی کے رشتوں کو مستحکم کرتی ہے۔ اسی طرح روزہ دوسروں کی تکلیف کا احساس دلاتا ہے۔ زکوٰۃ سراپا ہمدردی اور مسکین پروری ہے۔ حج میں عالمگیر اسلامی برادری کا احساس

تازہ ہوتا ہے۔ غرض تمام ارکان کی بنیاد سراسر اخلاق کی تہذیب و آراستگی پر ہے۔ یہی حال دوسرے اسلامی احکام و اعمال کا ہے۔

صدق و دیانت اب ہم رسولؐ پاک کے اخلاق عالیہ کا سرسری نقشہ پیش کرتے ہیں۔ تفصیل کا یہ مقام بھی نہیں اور تفصیل سے کام بھی لیا جائے تو ہماری کوشش کی حیثیت اس کے سوا کیا ہوگی کہ جہانوں کے گوشے گوشے میں روشنی کے چشمے بہانے والے سورج کو مٹھی میں لے لینے یا سمندر کو کوزے میں بند کرنے کی کوشش کی جائے۔

نبوّت سے پہلے رسولؐ پاک نے چالیس برس جن لوگوں میں گزارے، وہ عقیدے، اخلاق اور عمل کی گندگیوں میں اس طرح لتھڑے ہوئے تھے کہ نیکی اور اچھائی کا کوئی تصوّر ان کے دماغوں میں باقی نہیں رہا تھا۔ لیکن رسولؐ پاک کی زندگی اتنی پاکیزہ اور اس درجہ بے داغ تھی کہ ان لوگوں نے آپؐ کو "الصادق" (سچا) اور "الامین" (امانت دار) کے لقب دیئے۔ نبوّت سے پیشتر آپؐ مکے میں انھیں لقبوں سے پکارے جاتے تھے۔

عفت عفت اور پاک دامنی کسی شرح کی محتاج نہیں۔ آپؐ اس فضا میں پیدا ہوئے، جہاں عفت کی ہر قدر مٹ چکی تھی۔ اسی فضا میں پرورش پاکر جوانی کی عمر کو پہنچے۔ پچیس برس

کی عمر تک نکاح نہ کیا۔ لیکن یہ ساری زندگی سورج کی طرح بے داغ اور چاندنی کی طرح اجلی گزری۔ نبوت کے بعد آپؐ نے تیرہ برس ان لوگوں میں گزارے جو آپؐ کا نام مبارک سُن کر بھی غصّے میں آجاتے تھے اور ہر قسم کی تکلیفیں دیتے رہے۔ لیکن آپؐ کی امانت، عفت اور صدق کے خلاف کسی کو انگلی اٹھانے کا بھی حوصلہ نہ ہوا۔

دیانت نبوت ملنے کے بعد اسلام کی دعوت کا آغاز ہوا تو خاک مکّہ کا ذرّہ ذرّہ آپؐ کا دشمن بن گیا۔ کوئی اذیّت نہ تھی جسے اٹھا رکھا گیا، کوئی تکلیف نہ تھی جسے پہنچانے میں تامّل کیا گیا۔ آخر میں آپؐ کو شہید کر ڈالنے کی سازش بھی کرلی گئی لیکن دنیا یہ سُن کر یقیناً حیران ہوگی کہ جب کسی کو کوئی چیز امانت رکھنے کی ضرورت پڑتی تھی تو آپؐ کے پاس آتا تھا۔ چنانچہ جب آپؐ مکہ مکرمہ کو چھوڑ کر مدینے جانے لگے تو بہت سے لوگوں کی امانتیں آپؐ کے پاس تھیں۔ لیکن آپؐ نے چلتے وقت ہر امانت حضرت علیؓ کے حوالے کی اور تاکید فرمادی کہ انھیں مالکوں کو لوٹا کر آئیں۔ کیا عداوت اور دشمنی سے لبریز حالات میں دیانت کا ایسا دوسرا مرقع تاریخ میں مل سکتا ہے؟ جانی دشمنوں میں یہ اعتماد پیدا کیا کہ وہ امانتیں صرف آپؐ کے پاس رکھتے تھے۔ پھر اس اعتماد کے تمام واجبات بوجہ احسن پورے کیے۔

زہد و قناعت رسولِ پاک اس گھرانے میں پیدا ہوئے

جو عرب میں ممتاز مانا جاتا تھا۔ جب سے آپؐ نے کاروبار سنبھالا، خاصے خوشحال تھے اور حضرت خدیجہؓ کے ساتھ نکاح کے بعد تو ضروریات سے بالکل بے نیاز ہو گئے تھے۔ لیکن اس دور میں بھی آپؐ زہد و قناعت کی زندگی بسر فرماتے رہے۔ خود کم سے کم میں گزر کرتے، جو کچھ ہاتھ آتا محتاجوں اور مسکینوں کی امداد میں صرف فرما دیتے۔ پھر سارا عرب دل و جان سے آپؐ کا اطاعت گزار بن گیا۔ اس منصب کو عام طور پر حکمرانی اور بادشاہی کے نام سے پکارا جاتا ہے، لیکن بادشاہوں کو دلوں اور جانوں کی بے تابانہ فرمانبرداری کا وہ مقام آج تک کہاں نصیب ہوا، جو رسولِ پاک کو حاصل تھا۔ تاہم اس زمانے میں بھی آپؐ کے زہد و قناعت میں بال برابر فرق نہ آیا۔ مال اور غلہ آتا تھا لیکن آپؐ سب کچھ ضرورت مندوں میں بانٹ دیتے تھے۔ اپنے گھر میں کئی کئی دن تک کھانا نہیں پکتا تھا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپؐ کا لباس کبھی تہ کر کے بھی نہ رکھا گیا۔ یعنی دو جوڑے بھی نہ تھے۔ کہ ایک پہنتے اور دوسرا اٹھا رکھتے۔ صرف ایک جوڑا تھا اور اس میں بھی پیوند لگے ہوتے تھے۔

سخاوت سخاوت و فیاضی کا یہ عالم تھا کہ عمر بھر میں کبھی سائل کو نفی میں جواب نہ دیا۔ ایک مرتبہ ایک شخص آیا اور دیکھا کہ آپؐ کے پاس بکریوں کا بھاری ریوڑ ہے۔

اس نے ریوڑ مانگ لیا۔ آپؐ نے بے تکلّف دے دیا۔ اس نے جاکر اپنے بھائی بندوں سے کہا کہ اسلام قبول کر لو۔ محمدؐ اتنے فیاض ہیں کہ مفلس ہو جانے کی بھی پروا نہیں کرتے۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے سوال کیا۔ آپؐ نے فرمایا: اس وقت میرے پاس کچھ ہے نہیں، لیکن میرے ساتھ آؤ۔ حضرت عمرؓ حاضر تھے، وہ بولے: جب پاس کچھ نہیں تو آپؐ پر کیا ذمہ داری ہے؟ ایک اور شخص بھی موجود تھا۔ اس نے کہا: "یا رسول اللہ! دیئے جائیے، عرش والا خدا آپؐ کو محتاج نہ کرے گا۔" آپؐ یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور مسکرا دیئے۔

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ سے اونٹ خریدا۔ پھر اسے حضرت عمرؓ کے بیٹے عبداللہ کو عطیے کے طور پر دے دیا، ایسا ہی واقعہ ایک دفعہ ایک اور صحابی کے ساتھ بھی پیش آیا۔

ایثار ایثار کا مطلب ہے اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دینا۔ اپنی ضرورتوں کو نظر انداز کر دینا اور دوسروں کی ضرورتوں کو پورا کرنا۔ یہ سخاوت و فیاضی کا آخری درجہ ہے۔ رسولؐ پاک ایک مرتبہ جا رہے تھے۔ ابوذر غفاریؓ ساتھ تھے۔ سامنے احد پہاڑ کو دیکھا۔ تو فرمایا: ابوذر! اگر یہ سارا سونے کا بن جائے تو میں کبھی گوارا نہ کروں کہ تین دن گزر جائیں، اور میرے پاس ایک دینار بھی رہ جائے،

یعنی سارا اُٹھا کر بانٹ دوں ۔ ایک مرتبہ فرمایا: اگر جنگلی درختوں کے پتّوں کے برابر بھی میرے پاس اونٹ ہوتے، تو میں سب دے دیتا۔

ایک مرتبہ ایک عورت ایک چادر تحفے کے طور پر آپؐ کی خدمت میں لائی ۔ آپؐ کو اس کی ضرورت تھی۔ ایک صاحب نے دیکھتے ہی کہا: کیا اچھی چادر ہے۔ آپؐ نے فوراً اُٹھا کر اُسے دے دی۔

ایک صحابی نے نکاح کیا۔ ولیمہ کے لیے کچھ پاس نہ تھا۔ آپؐ نے فرمایا: جاؤ، عائشہؓ سے آٹے کی ٹوکری مانگ لاؤ۔ وہ صحابی آٹا لے آئے۔ لیکن اس روز اتنے آٹے کے سوا خود رسولِؐ پاک کے گھر میں پکانے کے لیے کوئی چیز نہ تھی۔

صبر و توکل | آپ کی پوری زندگی، صبر و شکر اور خدا پر توکل کا ایسا نقشہ پیش کرتی ہے، جو کسی دوسری جگہ نظر نہیں آسکتا۔ دعوت اسلام کے بعد آپؐ کو جن مصیبتوں اور اذیتوں سے دوچار ہونا پڑا، ان کا ذکر بھی پڑھیں تو دل پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ انسان کے لیے زندگی میں رغبت کے جتنے سامان ہوسکتے ہیں، وہ سب ایک ایک کر کے رخصت ہوئے لیکن نہ آپؐ کے صبر کی چٹان کو جنبش ہوئی، نہ شکر میں کمی آئی اور نہ توکّل کا پایہ ہلا۔ دشمنوں نے ڈرانے میں بھی کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، ترغیب اور لالچ کی

بھی آخری حد پوری کر دی، لیکن آپؐ کو نہ ڈرا دے مرعوب کر سکے، نہ لالچ اپنی طرف کھینچ سکا۔

حلم و عفو رسولؐ پاک نے زندگی بھر کبھی کسی کے ظلم و جبر کا بدلہ نہیں لیا۔ سب کو معاف فرما دیتے رہے۔ ہم بتا چکے ہیں کہ ایک مرتبہ ابو جہل نے حد درجہ سخت کلامی اور بد زبانی کی لیکن آپؐ اس کی ہر بات کا جواب نرمی اور ملائمت سے دیتے رہے۔ یہی واقعہ ایک کنیز سے سُن کر حضرت حمزہؓ نے ابو جہل کے سر پر کمان ماری تھی اور یہی واقعہ حضرت حمزہ کے قبول اسلام کا سبب بنا تھا۔

دشمن سختیاں کرتے تھے، اذیتیں دیتے تھے، نیاز مند دل کو غصّہ آجاتا تھا۔ وہ عرض کرتے کہ بد دعا کیجیے آپ ہاتھ اٹھاتے اور فرماتے: "خدایا میرے ہم قوموں کو سیدھا رستہ دکھا۔ یہ نہیں جانتے کہ کیا کر رہے ہیں۔"

قریش نے اکیس برس تک آپؐ کو اور آپؐ کے ساتھیوں کو ہر ممکن ذریعے سے مٹانے کی کوششیں جاری رکھیں، لیکن جب آپؐ کو خدا نے غلبہ عطا کیا تو سب کو معاف فرما دیا۔

حیا و تواضع حدیثوں میں آیا ہے کہ آپؐ کنواری لڑکیوں سے زیادہ شرمیلے تھے۔ عمر بھر کبھی کسی کے متعلق کوئی بُرا کلمہ زبان مبارک پر نہ آیا۔ اس سے بڑی بات کیا ہو سکتی ہے کہ آپؐ نے فرما دیا: حیا بھی ایمان کی ایک

شاخ ہے۔

یہی حال تواضع کا تھا۔ اپنے لیے کبھی امتیازی حیثیت پیدا نہ کی۔ بول چال میں اپنے لیے تعظیم کے عام کلمے بھی پسند نہیں فرماتے تھے۔ ایک دفعہ ایک شخص ملنے کے لیے آیا۔ اس پر ایسا رعب طاری ہوا کہ کانپنے لگا۔ آپؐ نے فرمایا: "گھبراؤ نہیں۔ مَیں ایک قریشی عورت کا بیٹا ہوں، جو سوکھا گوشت پکا کر کھاتی تھی۔" ایک مرتبہ فرمایا: "خدا نے مجھے خاکسار بندہ بنایا ہے، جبّار اور سرکش نہیں بنایا۔"

سینتیسواں باب

اخلاق نبویؐ

(۲)

مساوات رسولؐ پاک کی نظروں میں چھوٹے بڑے امیر غریب، آقا، غلام کا کوئی امتیاز نہ تھا۔ سب کو برابر سمجھتے تھے، سب کے ساتھ یکساں برتاؤ فرماتے تھے۔ آپؐ نے حجۃ الوداع میں فرمایا تھا کہ "لوگو! تمہارا رب ایک ہے، تمہارا باپ ایک ہے (آدمؑ) عربی کو عجمی پر یا عجمی کو عربی پر، گورے کو کالے پر، یا کالے کو گورے پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقوے کے سبب سے" مساوات کا یہ ایسا اعلان تھا جس سے بڑا اعلان نہ اس سے پہلے کبھی ہوا تھا اور نہ بعد میں ہوا۔ نہ رسولؐ پاک کے سوا اس پر عمل کا بہترین نقشہ کوئی پیش کر سکا۔ آپ نے اپنی پھوپھی کی بیٹی زینبؓ کی شادی اپنے آزاد کیے ہوئے غلام سے کی۔ اس آزاد کیے ہوئے غلام کو، پھر اس کے بیٹے کو ان لشکروں کا سردار بنایا جن میں بڑے بڑے قریش ماتحت کے طور پر کام کر رہے تھے۔ آج دنیا میں مساوات کا شور تو بہت ہے لیکن مساوات ہے نہیں۔

انسانوں کے برابر اور مساوی ہونے کی تاریخ کا اگر کھوج لگایا جائے تو معلوم ہوگا۔ کہ اس کا حقیقی اور آخری سرچشمہ صرف رسولِ پاک کی ذات تھی۔

حسن معاملت نبوّت سے پیشتر رسولِ پاک تجارت کرتے تھے۔ جن لوگوں نے اس زمانے میں آپؐ سے معاملہ کیا، وہ سب ہمیشہ آپؐ کے حسن معاملت کی شہادت دیتے رہے

ایک مرتبہ ایک قافلہ مدینے سے باہر اُترا۔ اس کے ساتھ سُرخ رنگ کا ایک اونٹ تھا۔ آپؐ ادھر سے گزرے تو اس اونٹ کی قیمت پوچھی۔ جو کچھ قیمت بتائی گئی، اسے قبول کر کے اونٹ کی مہار پکڑی اور لے گئے۔ پھر ان لوگوں کو خیال آیا کہ ہم نے جان پہچان کے بغیر اونٹ دے دیا اور قیمت نہ لی۔ ایک عورت بھی ان کے ساتھ تھی۔ وہ بولی فکر نہ کرو، جو شخص اونٹ لے گیا وہ کبھی دغا نہ کرے گا۔ میں نے اس سے روشن چہرہ کسی کا نہیں دیکھا۔ شام ہوئی تو آپؐ نے اونٹ کی قیمت بھجوائی اور اس کے ساتھ ہی قافلے کی مہمانی کے طور پر کھجوریں بھیج دیں۔

آپؐ ہمیشہ تاکید فرماتے کہ قرض ادا کرو اور خوش معاملگی سے ادا کرو۔ جب جنازہ آتا تو نماز سے پہلے پوچھتے کہ میّت کے ذمے قرض تو نہیں۔ یہ بھی حسن معاملت ہی کی دلیل ہے۔ قرضخواہ اگر سختی سے بھی مطالبہ کرتا تو بالکل

خفا نہ ہوتے۔ فرماتے یہ اس کا حق ہے۔

سوال، غیبت اور قبول احسان سوال کو بہت بُرا سمجھتے تھے۔ ایک مرتبہ ابوذرؓ سے فرمایا ایسی بیعت کرو گے جس کے بعد سیدھے جنّت میں جاؤ؟ ابوذرؓ نے ہاتھ بڑھایا تو فرمایا: "کسی سے سوال نہ کرو۔ اگر سواری میں کوڑا گر جائے تو کسی سے نہ کہو کہ اٹھا دے۔ خود اترو اور اٹھاؤ"۔ اسی طرح غیبت اور عیب جوئی کو بہت برا جانتے تھے۔ کسی کا احسان قبول کرنا بھی گوارا نہ تھا۔ ہجرتؐ کے لیے نکلے تو حضرت ابو بکرؓ نے دو اونٹ پال رکھے تھے۔ ایک آپؐ کے لیے اور ایک اپنے لیے۔ رسولؐ پاک نے جب تک قیمت نہ چکا لی، اونٹ نہ لیا۔

عدل و انصاف آپؐ عدل کے پیکر تھے۔ ایک مرتبہ اونچے گھرانے کی ایک عورت پر چوری کا الزام لگا۔ اس کے متعلقین چاہتے تھے کہ معافی مل جائے اور سزا نہ ہو۔ خود تو رسولؐ پاک کی خدمت میں عرض کرنے کی ہمّت نہ پڑی، اسامہؓ بن زیدؓ کو بھیجا جن سے رسولؐ پاک بہت محبت فرماتے تھے۔ آپؐ نے اسامہؓ کی زبان سے سفارشی کلمہ سُنا تو فرمایا: "تم خدا کی مقرر کی ہوئی حدوں میں سفارش کرتے ہو؟" پھر مسلمانوں سے فرمایا: "تم سے پہلے کی اُمّتیں اسی سبب برباد ہو گئیں کہ جب کوئی معزز آدمی جرم کرتا تو اس سے چشم پوشی کر لی جاتی، جب معمولی آدمی سے جرم ہوتا تو اسے سزا دی جاتی۔ خدا کی قسم! اگر محمدؐ کی بیٹی فاطمہؓ بھی

چوری کرتی تو اس کے ہاتھ ضرور کاٹے جاتے۔

استقامت آپؐ کی پوری زندگی استقامت تھی اور کیسی استقامت ؛ تکلیفوں کے نہایت نازک دور میں فرمایا کہ قریش اگر میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند لاکر رکھ دیں تو بھی میں تبلیغ حق نہ چھوڑوں گا۔ یہاں تک کہ خدا اس کام کو پورا کردے یا میری جان اس راہ میں قربان ہو جائے۔ طائف میں تبلیغ اسلام پر آپؐ کو جو دُکھ دیے گئے وہ ایسے نہ تھے کہ قوی سے قوی دل کو بھی لرزا نہ دیتے، لیکن آپؐ کی استقامت پر کوئی اثر نہ پڑا بلکہ اس کے ساتھ شفقت بھی تھی۔ اہل طائف کے لیے بددعا نہ کی، ان کا تباہ ہو جانا گوارا نہ فرمایا بلکہ کہا: مجھے امید ہے کہ ان کی پشت سے سچّے خدا کے پرستار پیدا ہوں گے۔

شجاعت وشوق شہادت رسولِ پاک کی شجاعت کا اس سے بڑا واقعہ کیا ہو سکتا ہے کہ تنہا اُٹھے اور پورے عرب کی مخالفت سے بے پروا ہو کر پیغام حق پہنچایا۔ کسی سے نہ ڈرے، کسی سے مرعوب نہ ہوئے۔ کوئی مخالفانہ قوت آپؐ کو راہ حق سے باز نہ رکھ سکی۔ جب جنگیں پیش آئیں، تو خطرے کے ہر مقام پر آپؐ بے باکانہ کھڑے ہو جاتے، کبھی ایک قدم بھی پیچھے نہ ہٹایا۔

شہادت کا اتنا شوق تھا کہ ایک مرتبہ فرمایا: میری آرزو ہے کہ خدا کی راہ میں شہید کیا جاؤں، پھر زندگی ملے، دوبارہ شہید کیا جاؤں، پھر زندگی ملے، تیسری بار شہید کیا جاؤں۔

رقت رسولِ پاک بہت رقیق القلب تھے۔ آپؐ کی صاحبزادی

حضرت زینبؓ کا بچّہ مرنے لگا تو اُنھوں نے آپؐ کو بُلایا۔ آپؐ تشریف لے گئے۔ بچّہ دم توڑ رہا تھا آپؐ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے۔ ایک صحابیؓ ساتھ تھے، ان کو اس پر تعجب ہُوا فرمایا: "خدا انھیں بندوں پر رحم کرتا ہے جو اوروں پر رحم کرتے ہیں۔

آپؐ کے بچّے ابراہیم پر نزع کی حالت طاری تھی۔ اسے اُٹھا کر گود میں لے لیا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے عبدالرحمٰن ابن عوف نے عرض کیا: "یارسول اللہ آپؐ کی یہ حالت ہے!" فرمایا: "یہ رحمت ہے۔"

زمانہ جاہلیت میں عرب لڑکیوں کو زندہ گاڑ دیتے تھے۔ ایک بار ایک صحابیؓ نے اسلام سے پہلے کے قصّے بیان کرتے ہُوئے یہ بھی سُنایا کہ مَیں نے اپنی لڑکی کو زندہ گاڑ دیا تھا۔ یہ سُنتے ہی رسولؐ پاک کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے۔ فرمایا: یہ قصّہ پھر دہراؤ۔ آپؐ اتنے روئے کہ ریش مبارک تر ہو گئی۔

عیادت و تعزیت بیماروں کو دیکھنے کا خاص خیال رکھتے۔ ہر بیمار کو تسلی دیتے اور اس کی دلداری فرماتے۔ اس میں دوست دشمن یا مسلم و غیر مسلم کی تمیز نہ تھی۔ حدیثوں میں آیا ہے کہ آپؐ بیماروں کی مزاج پرسی کا بہت اہتمام فرماتے تھے۔ ایک یہودی کی عیادت کا واقعہ بھی بیان ہُوا ہے۔ ایک شخص بیمار ہُوا، آپؐ کئی مرتبہ اسے دیکھنے گئے۔ وہ فوت ہو گیا۔ رات

کا وقت تھا۔ لوگوں نے آپؐ کو خبر نہ دی کہ تکلیف ہوگی اور اسے دفن کر دیا۔ صبح کے وقت آپؐ کو اطلاع ملی تو اس کی قبر پر جا کر نماز جنازہ پڑھی۔

شفقت اور انسانی حقوق بچوں پر بہت شفقت فرماتے تھے۔ مدینے سے باہر سفر پر جاتے تو واپسی کے وقت لوگ شہر سے باہر نکل کر استقبال کرتے، بچے بھی ساتھ ہوتے۔ جو بچے سب سے پہلے آپؐ کے پاس پہنچ جاتے انھیں آپؐ اپنے ساتھ سوار کر لیتے۔ جانوروں پر ذراسی سختی کو بھی دیکھ نہیں سکتے تھے۔ قرآن پاک میں والدین کے حقوق کے بارے میں جو تاکید آئی ہے وہ محتاج شرح نہیں۔ رسولؐ پاک سے ایک مرتبہ کسی نے پوچھا: "یا رسول اللہ میرے حسن سلوک کا مستحق کون ہے؟" فرمایا: "تیری ماں" تین مرتبہ یہی پوچھا تینوں مرتبہ آپؐ نے فرمایا: "تیری ماں"، چوتھی مرتبہ فرمایا: "تیرا باپ" اسی طرح ہمسایوں، یتیموں اور مہمانوں کے حقوق کا آپؐ کو بہت پاس تھا اور ان کے لیے تاکید فرماتے رہتے تھے۔ ہمسایوں کے گھر جا کر ان کے کام کر دیتے۔ مدینے کی لونڈیاں بھی کسی کام کے لیے عرض کرتیں تو اسی وقت اٹھ کھڑے ہوتے اور ان کا کام کر دیتے۔ یتیموں، مسکینوں سے بہت محبت تھی۔ آپؐ کی ایک دعا یہ تھی: "الٰہی مجھے مسکین زندہ رکھ، مسکین اٹھا اور مسکینوں کے ساتھ میرا حشر کر۔"

اسلامی برادری اسلامی برادری کے بارے میں قرآن پاک اور رسولؐ پاک کے ارشادات اتنے ہیں کہ سب کو جمع کیا جائے تو ایک

دفتر تیار ہو جائے۔ ہم یہاں صرف چند باتیں پیش کریں گے۔ فرمایا:

(۱) مسلمانوں کو باہم رحم و محبت اور شفقت میں اس طرح دیکھو گے۔ کہ جیسے انسانی جسم۔ جسم کا ایک عضو بھی تکلیف میں ہو، تو سارا جسم بخار اور بے خوابی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

(۲) مسلمان باہم مل کر اس طرح مضبوط ہوتے ہیں جیسے دیوار کہ اس کے ایک حصے سے دوسرا حصہ مضبوط ہوتا ہے۔

(۳) ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، نہ وہ اس پر ظلم کرے، نہ بےمدد چھوڑے، نہ تحقیر کرے۔

(۴) مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان بچے رہیں۔

(۵) مسلمان کو گالی دینا نافرمانی ہے، اس سے لڑنا کفر ہے۔

(۶) ہر مسلمان پر اس کے مسلمان بھائی کے پانچ حق ہیں (۱) سلام کا جواب (۲) اسے چھینک آئے تو کہنا خدا تم پر رحمت کرے (۳) اس کی دعوت قبول کرنا (۴) بیمار ہو تو مزاج پرسی کے لیے جانا (۵) مر جائے تو جنازے کے ساتھ چلنا۔

(۷) تم میں سے کوئی کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے وہی نہ چاہے جو اپنے لیے چاہتا ہے۔

انسانی برادری اسی طرح رسولِ پاک نے انسانی برادری کے رشتے مضبوط کر دیے۔ اسلام پہلا مذہب ہے جس نے اعلان کیا کہ کسی قوم کی دشمنی تم کو عدل و انصاف کی راہ سے نہ ہٹا دے۔ رسولِ پاک کا ارشاد ہے: "نہ ایک دوسرے سے کینہ رکھو، نہ حسد کرو، نہ منہ پھیرو۔ خدا کے بندو! آپس میں بھائی بھائی

بن جاؤ۔" ایک مرتبہ فرمایا: "تم میں سے کوئی اس وقت تک پورا مومن نہیں بن سکتا جب تک وہ اور لوگوں کے لیے (نہ کہ صرف مسلمانوں کے لیے) وہی پسند نہ کرے، جو اپنے لیے پسند کرتا ہے، اور جب تک وہ آدمی کو صرف خدا کے لیے پیار نہ کرے۔"

لا اکراہ فی الدین اسلام پہلا اور آخری مذہب ہے جس نے دین میں جبر و اکراہ کا دروازہ بالکل بند کر دیا۔ رسولؐ پاک ذمیوں کے بارے میں بہت تاکید فرماتے تھے۔ فرمایا: اگر کوئی مسلمان ذمی کو قتل کرے گا تو وہ بہشت کی خوشبو نہ سونگھنے پائے گا۔ مشرکین و کفار سے آپؐ کا برتاؤ فتح مکہ کے بعد عفو عام کے اعلان سے ظاہر ہے۔ انفرادی برتاؤ کا یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ ایک کافر آپؐ کا مہمان ہوا۔ گھر کی سات بکریوں کا دودھ پی گیا، رات بھر اہلِ بیت بھوکے رہے آپؐ نے کچھ نہ فرمایا: یہود و نصاریٰ کے ساتھ بھی آپؐ کا برتاؤ ہمیشہ محبانہ رہا۔ مدینے پہنچتے ہی یہود کے ساتھ عہد نامہ کر لیا جس میں ان کے تمام حقوق کی حفاظت کا ذمہ اٹھایا گیا تھا۔ یہود ہی نے یہ عہد نامہ توڑا۔ نجران کے عیسائیوں نے امان نامہ مانگا تو ان کے تمام مذہبی و ذاتی حقوق کی حفاظت کا اعلان فرما دیا۔ ان عیسائیوں کا وفد مدینے آیا تو آپؐ نے انھیں مسجد میں ٹھہرایا اور اجازت دے دی کہ مسجد میں اپنے طریق پر عبادت کر لیں۔ اسلامی بیت المال سے غیر مسلم معذورین کو گزارا دیا جاتا تھا۔

قبیلہ جذیمہ کا واقعہ قبیلہ جذیمہ کا واقعہ بڑا عبرت ناک ہے۔

رسولِ پاک نے حضرت خالدؓ کو بھیجا کہ ان میں اسلام کی تبلیغ کریں حضرت خالدؓ اس قبیلے میں پہنچے تو انھوں نے اسلام قبول کرلیا، لیکن اپنی ناواقفی سے ایسے لفظ استعمال کیے جن سے حضرت خالدؓ نے سمجھا کہ یہ اسلام سے منحرف ہیں۔ ان کے قتل کا حکم دے دیا اور حقیقت حال معلوم ہونے سے پہلے کئی آدمی مارے گئے۔ رسولِ پاک کو ان حالات کی اطلاع ملی تو ہاتھ اُٹھا کر فرمایا: "خدایا! مَیں خالدؓ کے فعل سے بری ہوں" پھر حضرت علیؓ کو بھیجا اور قبیلے کے تمام نقصانات کی تلافی فرما دی یہاں تک کہ جو کتّے مارے گئے تھے، ان کا معاوضہ بھی دے دیا۔

ایفائے عہد ایفائے عہد کی تاکید قرآن شریف میں بھی آئی ہے۔ رسولِ پاک کی حیاتِ مبارک میں ایفاء کے بیسیوں واقعات ملتے ہیں۔ ہم یہاں صرف دو واقعات پیش کریں گے۔

(۱) صلح حدیبیہ میں ایک شرط یہ طے ہوئی تھی کہ مکے سے جو مسلمان مدینے جائے گا اسے اہلِ مکہ کی طلب پر واپس کردیا جائے گا۔ صلح کی شرطیں لکھی جا رہی تھیں کہ ابو جندلؓ زنجیریں پہنے ہوئے آئے۔ یہ مسلمان ہو چکے تھے اور قریش نے انھیں قید کرلیا تھا۔ کسی طرح قید سے نکل کر گرتے پڑتے حدیبیہ پہنچ گئے۔ قریش نے ان کی واپسی پر اصرار کیا۔ ابو جندلؓ کہتے تھے کہ مَیں مسلمان ہو چکا ہوں، بھائیو، مجھے قریش میں نہ بھیجو۔ سب مسلمان یہ نظارہ دیکھ کر تڑپ اٹھے۔ لیکن آپؐ نے فرمایا: "ابو جندلؓ! صبر کر۔ ہم عہد نہیں

توڑ سکتے، خدا جلد تمھارے لیے کوئی راستہ نکال دے گا"
چنانچہ ابو جندل کو پا بہ زنجیر واپس بھیج دیا۔

(۲) غزوۂ بدر کے موقع پر دو صحابی مکّے سے آ رہے تھے۔ راہ میں غیر مسلموں نے انھیں روکا اور اس شرط پر رہا کیا کہ جنگ میں مسلمانوں کا ساتھ نہ دیں گے۔ اگرچہ بدر میں مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی اور ایک ایک سپاہی کی ضرورت تھی لیکن آپؐ نے ان دونوں صحابیوں سے پورا واقعہ سُنا تو فرمایا:
تم واپس جاؤ، ہم ہر حال میں اپنے وعدے کو پورا کریں گے۔ ہم کو صرف خُدا کی مدد درکار ہے۔

اڑتیسواں باب

جہانوں کے لیے رحمت

سیرت مقدسہ | رسولِ پاک کی سیرت مقدسہ کا سرسری خاکہ مکمل ہو گیا۔ اب اس سلسلے میں چند بنیادی باتیں سُن لیجیے۔

(۱) دُنیا میں خدا کی طرف سے جتنے ہادی اور رہبر آئے، ان میں سے اکیلے آپؐ ہیں۔ جن کی زندگی کا ایک ایک گوشہ تاریخ کی روشنی میں آچکا ہے۔ ہر صفحہ سورج کی طرح درخشاں ہے۔ ایک ایک بات، ایک ایک عمل اور ایک ایک حرکت اس طرح ضبط تحریر و بیان میں آگئی کہ عالم انسانیت کے کسی فرد کو آج تک یہ مقام نصیب نہ ہوا۔ اس بے بہا ذخیرے کو جو شخص جب چاہے دانش و بینش کی ترازو میں تول سکتا ہے۔ اگر اس کی بصیرت تعصبات کے زنگ سے آلودہ نہیں ہوئی تو وہ ایک ہی نتیجے پر پہنچے گا اور وہ یہ کہ آپؐ جیسا کامل و مکمل انسان آج تک زمین کی پیٹھ پر اور آسمان کی چھت کے نیچے پیدا نہیں ہوا۔

(۲) آپ یتیم پیدا ہوئے۔ زندگی میں کامیابی کے لیے جن سہاروں کو ضروری سمجھا جاتا ہے وہ سب گم تھے۔ ذاتی اعمال کی پاکیزگی، اخلاق کی بلندی اور پیغام حق کی شگفتگی کے سوا آپؐ کے

پاس کوئی متاع نہ تھی۔ سچائی کو پھیلانے اور نیکی کو دلوں میں اتارنے کے لیے ہولناک مصیبتوں اور آفتوں کے جن طوفانوں سے آپؐ کو قدم قدم پر سابقہ پڑا، ان کی مثالیں کسی دوسری جگہ نہیں مل سکتیں۔ لیکن کوئی مخالفت، کوئی عداوت، کوئی اذیت اور کوئی تکلیف نہ آپؐ کے استقلال کی چٹان کو ہلا سکی، نہ آپ کی شفقت و رحمت کی پیشانی پر کوئی شکن پیدا کر سکی۔ دشمنی کے جھکڑ پوری شدّت سے چلے، عداوت کے سیل پوری تندی سے موجزن ہوئے لیکن ان جھکڑوں اور طوفانوں کے تھپیڑے کھاتے ہوئے بھی آپ نے دشمنوں کے لیے ہمیشہ نیکی اور ہدایت کی دعا فرمائی، ان کی برائی کبھی نہ چاہی۔

(۴) پھر خدا نے آپؐ کے لیے انسانوں کے دلوں میں وہ عقیدت پیدا کر دی، جس سے بڑی عقیدت آج تک آدمؑ کی اولاد کے کسی فرد کو نصیب نہیں ہوئی۔ ایک ایک ساتھی آپؐ کی محبّت و عقیدت کی راہ میں جان دے دینا سب سے بڑی سعادت سمجھتا تھا۔ مال و دولت کے انبار بھی آپؐ کے قدموں پر گرتے رہے لیکن فقر و مسکینی کی زندگی میں بال برابر فرق نہ آیا۔ کپڑوں کے دو جوڑے کبھی آپؐ کے پاس جمع نہ ہوئے۔ سیر ہو کر کبھی نہ کھایا۔ اس دُنیا سے رخصت ہوئے تو کوئی شے ایسی نہ تھی، جسے آپ کی ملکیّت کہا جا سکتا۔ جو کچھ تھا ملّت کے حوالے ہو چکا تھا یہ سیرت مقدسہ کے اندازے کا عام نقطۂ نگاہ ہے۔ جاؤ تلاش کرو، ڈھونڈو کہ جب سے دنیا پیدا ہوئی اس کی پشت

پر چلنے والے انسان کی زندگی ان خصوصیتوں کا ایسا جامع نمونہ پیش کر سکتی ہے؟

حیات مبارک کا نچوڑ حیات مبارک کا نچوڑ چند لفظوں میں بیان کرنا چاہو تو یوں کر سکتے ہو:

(۱) جب تک مخالفوں کا زور رہا اور ہر قسم کے ظلم و جور سے کام لیتے رہے، آپؐ نے ایک ایک آن صبر و شکر کے ساتھ گزاری۔ کبھی پیشانی مبارک پر بل نہ آیا۔

(۲) جب ان کے ساتھ مقابلہ آپڑا تو عزم کے ساتھ پہاڑ کی طرح جم کر کھڑے ہو گئے۔

(۳) مخالفت و عداوت کے خوفناک طوفانوں میں بھی کسی کے ساتھ معاملے کی صورت پیدا ہوئی تو اسے بے تامل قبول فرما لیا اور دوست دشمن کی تمیز کیے بغیر ہر وعدے کو اس راستبازی سے پورا کیا کہ دشمنوں کی زبانیں بھی اعتراف و تحسین کے ترانے گانے لگیں۔

(۴) جب خدا نے غلبہ عطا کیا تو ہر مخالف اور ہر دشمن کو بے تکلف معاف فرما دیا۔ جن دشمنوں نے اکیس برس تک آپؐ کے پیغام ہدایت کے جواب میں تلواریں، بھالے اور تیر چلائے تھے اور ان کے زخم آپؐ کے جسم مبارک پر اور آپؐ کے ساتھیوں کے جسموں پر تازہ تھے، ان کے لیے بھی زبان پر صرف ایک ارشاد تھا: جاؤ تم سب آزاد ہو، تم پر کوئی الزام نہیں۔

یہ چار نادر خصوصیتیں جس طرح رسولِ پاکؐ کی ذاتِ اقدس میں جمع ہوئیں، آج تک انسانوں کی پوری تاریخ میں کسی ایک وجود کے اندر جمع نہیں ہوئیں۔

بہترین امت آپؐ جس قوم میں پیدا ہوئے، وہ بدترین برائیوں کے جوہڑ میں غوطے کھا رہی تھی۔ عقیدے گندے، اخلاق گھناؤنے، اعمال وحشیانہ۔ لوگ عموماً جاہل، بات بات پہ جھگڑنے لگتے۔ لڑائی چھڑ جاتی تو برسوں کیا، پشتوں تک نہ رکتی۔ اجتماعی زندگی کی بنیاد تین باتوں پر ہے: جان کی عزت، مال کی حفاظت اور آبرو کا پاس۔ ان تینوں باتوں کی قدر و قیمت مٹ چکی تھی گویا اجتماعی زندگی کی بنیادیں ڈھے چکی تھیں۔ متمدن قومیں عربوں کو حقیر سمجھتی تھیں۔ جب ایرانیوں سے لڑائیاں چھڑیں تو ان کے سپہ سالار نے بڑی حقارت سے طعنہ دیا: اونٹ کا دودھ پینے اور گوہ کا گوشت کھانے والے عربوں کو یہ حوصلہ ہو گیا ہے کہ کیانی بادشاہوں کے تخت کی آرزو کر رہے ہیں! اے آسمان تجھ پر حیف ہے۔

یہ قوم صرف تئیس برس کی مدت میں رسولِ پاکؐ کی تربیت کی برکت سے دنیا کی بہترین امت بن گئی۔ سورج خدا جانے کب سے روشنی کا سرچشمہ بنا ہوا ہے۔ اس کی آنکھ نے نہ پہلے ویسی امت دیکھی تھی اور نہ بعد میں:

سب اسلام کے حکم بردار بندے   سب اسلامیوں کے مددگار بندے

خدااور نبیؐ کے مددگار بندے یتیموں کے رانڈوں کے غمخوار بندے

رہ کفرو باطل سے بیزار سارے
نشے ہیں مئے حق کے سرشار سارے

یہ امت تھی جس نے بیس برس کے اندر اس عہد کی تین نہایت طاقتور اور جابر سلطنتوں کو مٹی کے کھلونوں کی طرح پاش پاش کر ڈالا۔ ایک امریکی مورخ نے لکھا ہے:

عربوں کے نام کے اردگرد روشنی کا ایک ہالہ درخشاں ہے جو صرف فاتحین عالم کے لیے مخصوص ہے۔ اپنی اٹھان کے بعد ایک صدی کے اندر وہ اس وسیع سلطنت کے مالک بن گئے جو بحر ظلمات (اوقیانوس) کے کناروں سے لے کر چین کی حدوں تک پھیلی ہوئی تھی۔ یہ سلطنت رومیوں کے دور عروج کی سلطنت سے بھی بڑی تھی۔ بے مثال توسیع کے اس عہد میں عربوں نے اجنبیوں کی اتنی بڑی تعداد کو اپنے عقیدے اور زبان ہی نہیں بلکہ اپنے جسمانی خصائص میں بھی جذب کر لیا کہ اس کی نظیر نہ یونانیوں کی تاریخ میں ملتی ہے، نہ رومیوں کی تاریخ میں، نہ انگریزوں کے ہاں یہ بات نظر آتی ہے، نہ روسیوں کے ہاں، نہ عربوں سے پہلے ایسا کوئی موجود تھا، نہ ان کے بعد مل سکا۔

ہمہ گیر فضائل رسولِ پاکؐ کی امت کے فضائل کا صحیح اندازہ کرنے کی ایک اور صورت بھی ہے اور وہ یہ کہ مختلف فضائل

کے عنوان قائم کرکے دیکھیے، ہر عنوان کے ماتحت مسلمانوں میں سے کتنے آدمی ملتے ہیں اور دوسری قومیں اس قسم کے کتنے آدمی پیش کرسکتی ہیں، مثلاً شجاعت و جوانمردی، علم و فضل، خداپرستی و حق آگاہی، عدل و انصاف، فیاضی و سخاوت، ملک گیری و ملک داری وغیرہ۔ دنیا کی تاریخ آپ کے سامنے ہے ڈھونڈیے، تلاش کیجیے، ہر فضیلت میں مسلمان، تعداد میں بھی سب سے آگے ہوں گے، درجے میں بھی کسی دوسری قوم کا کوئی فرد شاید ہی ان کے برابر پہنچ سکے۔ جاہ و جلال کو اسلام سے کوئی مناسبت نہ تھی لیکن مسلمانوں نے ادھر توجہ کی تو وہ نمونے پیدا کیے کہ اگر آج ان کی کیفیت بیان کی جائے تو خیالی افسانے معلوم ہوں، حالانکہ یہ سب کچھ اس آسمان کے نیچے واقع ہوا۔ مسلمانوں کی چھوڑی ہوئی یادگاروں کو گننے لگیں تو گن نہ سکیں اور کیسی یادگاریں؟ ساری دنیا مل کر ان میں سے ایک کے مقابلے کا حوصلہ بھی نہ کرسکے۔

فتح و تسخیر کے کارناموں کو دیکھیے تو ہر دور، ہر عہد اور ہر خطے میں یہ کیفیت نظر آئے گی کہ ایسے مسلمان، جن کا نام بھی کوئی نہیں جانتا تھا تلوار لے کر اٹھے اور نہایت عظیم الشان سلطنتیں قائم کردیں۔ علمی تحقیق کی یہ شان کہ سفر کے اسباب ناپید، راستے کٹھن، منزلیں دشوار لیکن ہزاروں مسلمان شوق کی مشعلیں ہاتھ میں لے کر نکل پڑے اور دنیا کے کسی حصے میں کوئی سرچشمہ علم ایسا نہ رہا، جہاں وہ نہ پہنچے

تجارت پر متوجہ ہوئے تو جس زمانے میں عام لوگوں کو خشکی پر بھی چلنے کا حوصلہ نہ ہوتا تھا، مسلمانوں نے ساتوں سمندروں کے سینوں پر کشتیاں چلائیں اور شرق و غرب کے ڈانڈے ملا دیے۔ اولیا کرام کی فہرست مرتب کی جائے تو ساری دنیا کے بزرگ مل کر مسلمانوں کے ایک دور کے بزرگوں کی تعداد کے برابر بھی نہ نکلیں گے۔ مسلمانوں نے تیرہ سو برس میں انسانی فضائل کا جو بیش بہا ذخیرہ فراہم کیا، جاؤ پورے عالم انسانیت کے چھ ہزار برس کا اندوختہ اُٹھا لاؤ اور مقابلہ کر کے دیکھ لو کہ آیا وہ اسلامی ذخیرے کا ہزارواں حصہ بھی نکلتا ہے؟ یہ روشن حقیقتیں ہیں اور فیضان عام کی یہ ساری نہریں اسی مقدس سرچشمے سے نکلیں جو رسول پاک نے اس دنیا میں بہایا۔

عالمگیر برادری اور عالمگیر امن یہ رسولِ پاک ہی کی بابرکت ذات تھی جس نے انسانوں کے حقوق کا صحیح نقشہ مرتب کیا اور ہر شخص کو ان حقوق کا سچا احترام سکھایا۔ وہی ذات پاک تھی جس نے لَا اکراہ فی الدین (دین میں کوئی جبر جائز نہیں) کے اعلان سے، ہر طبقے، ہر گروہ، ہر مذہب اور ہر عقیدے کے لیے رواداری کی حقیقی فضا پیدا کی، جس نے انسانی زندگی کی قدر و قیمت کا سبق پڑھایا، جس نے ضمیر کی آزادی عطا کی، جس نے تمام انسانوں میں برادری، مساوات، ہمدردی اور محبت کے رشتے استوار کیے۔ اس

طرح امن عالم کی سب سے بڑھ کر اور سب سے زیادہ پائیدار خدمت انجام دی۔ اسلام ہی تھا جس نے جغرافیائی حدوں، قبیلوں اور نسلوں میں بٹے ہوئے انسانوں کو ان کے اپنے پیدا کیے ہوئے تفرقوں سے باہر نکالا اور یہ اعلان کیا کہ سب لوگ آدمؑ کی اولاد ہیں اور آدمؑ مٹی سے بنے تھے۔ یہ اعلان کیا کہ گورے کو کالے پر یا عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں مگر نیک عملی کی بنا پر۔ اسلام ہی تھا جس نے نیکی، خدا ترسی، حق شناسی اور حق پسندی کو برتری کا معیار بنایا، اس طرح انسانوں کے درمیان جھگڑے اور کشمکش کے جتنے اسباب تھے انھیں ختم کر کے اعمال حسنہ کے لیے سچی تڑپ پیدا کی۔ انھیں اعمال کو انسانوں کا حقیقی نصب العین قرار دیا۔

جہانوں کے لیے رحمت یہ محض سرسری اشارے تھے جنھیں سامنے رکھ لیا جائے تو معلوم ہو گا کہ اسلام نے دنیا کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا اور اسلام کو کیوں دنیا کا آخری اور مکمل پیغام کہا جاتا ہے؟ رسولِ پاک کیوں دنیا کے آخری نبیؐ اور خدائے پاک کے بھیجے ہوئے آخری رہبر تھے؟

اسلام کا خدا جہانوں کو پالنے والا ہے۔ وہ صرف مسلمانوں کا رب نہیں بلکہ رب العالمین ہے۔ قرآن پاک جہانوں کے لیے ذکر ہے، اِن ھو الا ذکرٌ للعالمین رسولؐ پاک جہانوں کے لیے ہادی اور رہنما تھے، انا ارسلناک کافۃً للناس اور یاایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا بھٹکے ہوئے

لوگوں کو سیدھی راہ دکھانا رحمت کا سب سے بڑا نشان ہے۔
اسی لیے فرمایا گیا: وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ہم نے تجھے
نہیں بھیجا مگر جہانوں کے لیے رحمت بنا کر۔ رسول پاک کی
سیرت کا نقشہ سامنے رکھو، ایک ایک عمل اور ایک ایک حرکت
پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ آپؐ سراپا رحمت تھے۔ آپؐ کی
ذات بابرکات سے جہانوں پر آشکارا ہوا کہ رحمت کسے کہتے
ہیں۔ نیکی، تہذیب، پاکیزگی، ہمدردی، محبت اور اخوت کیا
ہوتی ہے۔ گمراہی کے اندھیرے میں ٹھوکریں کھانے والی دنیا
کے واسطے حقیقی امن کی منزل مقصود پر پہنچنے کے لیے کون سی
روشنی درکار ہے۔

ہجرت کے دسویں سال حج کے مہینے کی نویں تاریخ کو یہ
کائنات ہر پھر کر اس مقام پر پہنچی تھی جہاں یہ پیدائش کے وقت
تھی۔ اب پھر ضلالت کی دلدل میں پھنس گئی ہے صرف رحمۃ للعالمین
کی پاک سیرت اور قرآن کی پاک تعلیم کا چراغ لے کر یہ دوبارہ اپنا
کھویا ہوا مقام حاصل کر سکتی ہے۔ علامہ اقبالؒ نے رضائے خدا
کی کیا خوب ترجمانی فرمائی ہے:

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

صلی اللہ علیہ وعلے آلہٖ واصحابہٖ وسلم تسلیماً کثیراً کثیرا

سلسلۂ مطبوعات نمبر ۱

سرورِ عالمؐ

غلام رسول مہر

کتاب منزل لاہور